بعض دلچسپ پہلوؤن کی کامیاب تصویرین ہین ان سے مصنف کی قدرتِ تحریر کے ساتھ اس کی قوتِ مشاہدہ اور جزئیات کے احاطہ کا بھی اندازہ ہوتا ہے،

ہمارے بزرگ مؤلفہ جناب رشید اختر صاحب ندوی تقطیع چھوٹی ضخامت :- ۱۱۲ صفحے، کاغذ، کتابت وطباعت بہتر، قیمت معلوم نہین، پتہ :- کتاب خانہ سعادت بازار ڈوگران لاہور،

اس کتاب مین مؤلف نے چھوٹے بچون کیلئے خلفاے راشدین رضی اللہ عنہم کے مختصر حالات اور ان کی زندگی کے سبق آموز اخلاقی واقعات لکھے ہین، بچون کے لئے کتاب خاصی ہے، لیکن کہین کہین پر واقعات اور الفاظ کے استعمال مین احتیاط نہین برتی گئی ہے، مثلاً حضرت ابو بکر صدیقؓ کے زمانہ مین مدینہ پر باغیون کا حملہ ص ۲۳ "لوگ حضور کو مارتے اور علیؓ اپنے چھوٹے چھوٹے ہاتھون سے بچاتے" ص ۹۶) "اسمائؓ نے ایک چال چلی ص ۲۱" "بوڑھا (حضرت ابو بکرؓ کے والد) ٹھیکرون کو روپے سمجھکر خوش ہوگیا، ص ۲۱" "ایک دن صدیقؓ اور انکی بیگم صاحبہ مین جھگڑا ہوا، ص ۲۵" اور اس قسم کی خامیان ہین، لیکن ان سے قطعِ نظر کتاب بری نہین ہے،

پانی کی کہانی، مؤلفہ مولوی فیض محمد صاحب بی اے تقطیع چھوٹی، ضخامت ۵۰ صفحے، کاغذ کتابت وطباعت بہتر، قیمت معلوم نہیں، پتہ :- ادارہ ادبیات اردو، رفعت منزل خیرت آباد حیدرآباد دکن،

یہ کتاب ادارۂ ادبیات اردو کے سائنسی رسالون کے سلسلہ کا تیسرا نمبر ہے، اس مین پانی کی زبان سے اس کی ماہیت، اس کے کیمیائی تغیرات، کرۂ زمین پر اس کے مختلف اثرات، جغرافی وموسمی تغیرات، نباتاتی اور حیوانی زندگی سے اس کے تعلق، صنعت وحرفت وغیرہ مین اسکی ضرورت کائناتِ ارضی مین اس کے مختلف مظاہر اثرات اور اسکے فوائد کو دلچسپ انداز مین بیان کیا گیا ہے، "م"

جلد ۴۷ ماہ محرم الحرام سنہ ۱۳۶۰ھ مطابق ماہ فروری سنہ ۱۹۴۱ء عدد ۲

مضامین

شذرات

پچھلے پرچہ میں رحمتِ عالم کے بنگال تک پہنچنے کی جو اطلاع دی گئی تھی، ابھی وہ چھپنے بھی نہیں پائی تھی کہ کلکتہ سے برادرم مولوی عبدالرحمان صاحب کاشغری ندوی مدرس فقہ واصول مدرسۂ عالیہ کلکتہ کا تار آیا کہ فی الفور اس کے ڈھائی سو نسخے بھیجے جائیں، چنانچہ وہ بھیجے گئے اور اب بنگال کے دوسرے شہرون تک بھی رحمت پہنچ چکی ہے، اسی طرح کراچی سندھ میں پچاس اور بمبئی مین اسی قدر نسخے جاچکے ہین، فالحمد للہ،
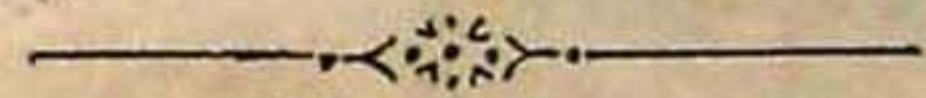
مسلم یونیورسٹی کے دینیات مین مدت سے مولانا شبلی مرحوم کا رسالہ بدر الاسلام پڑھایا جاتا تھا، اب یہ اطلاع مل کر خوشی ہوئی کہ اس کی جگہ رحمتِ عالم کا انتخاب کیا گیا ہے، امید ہے کہ اس کے ذریعہ یونیورسٹی کے نوجوانون تک یہ پیامِ رحمت پہنچ جائے،

رحمتِ عالم کے دائرہ کو وسیع کرنے کے لئے رامپور سے ایک دوست کی تحریک تھی کہ اس کا ہندی ترجمہ شائع کیا جائے، اس کی تائید اب حیدرآباد دکن سے ہورہی ہے، وہان کے ایک دیندار صاحبِ علم پروفیسر نے اس ہندی اڈیشن کے سو نسخون کی ذمہ داری لی ہے، اگر ڈیڑھ سو نسخون کی قیمت عہ (روپیہ) فی نسخہ کے حساب سے کوئی اور ہمدرد ادا کرسکین تو اس ہندی اڈیشن

کی اشاعت مین کوئی رکاوٹ باقی نہین رہے، انشاء اللہ تعالیٰ،

قرآنِ پاک کے اعجاز پر کوئی ایسی مستقل کتاب جس مین اصولاً بھی اور آیات پر بھی وقتِ نظر کے ساتھ بحث ہو موجود نہین، البتہ کتب معانی وبیان و امالی میں یہ مباحث منتشر و پراگندہ موجود ہین دار المصنفین مین مدت سے یہ کاوش ہورہی تھی اور دو برس سے مستقل طور سے مولوی محمد اویس صاحب نگرامی ندوی کو یہ کام سپرد کیا گیا تھا جس کو انھوں نے پوری تندہی اور محنت سے انجام دیا، اور بحمد اللہ کہ یہ کام انجام کو پہنچ گیا، اور دو ایسی جلدیں تیار ہوگئیں جنہیں قرآنِ پاک کے ادبی ومعنوی ونحوی و اعجازی نقطہ ہاے نظر جو ایک ہزار برس کی تحقیقات کا خلاصہ ہین یکجا ہوگئے ہیں، اس وقت ان جلدون کی فہرست زیر ترتیب ہی،

حضرۃ الاستاذ علامہ شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ کے سوانحِ حیات کی ترتیب کا جو کام پچھلے سال سے جاری تھا، بحمد اللہ کہ پورا ہوگیا، سوانح کی یہ پہلی جلد پانچ سو سے زیادہ صفحات پر مشتمل ہوگی، یہ شخصی سوانح ہونے کے علاوہ انشاء اللہ مسلمانون کی چالیس برس کی علمی وتعلیمی ومذہبی وادبی وسیاسی تحریکات کی تاریخ بھی ہوگی، کتاب بہمہ وجوہ تیار ہوکر پریس مین جارہی ہے،

سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم جلد ششم کی چھوٹی تقطیع کی مانگ ہر طرف سے جاری ہے، اُن کی اطلاع کیلئے گذارش ہے کہ چھوٹی تقطیع چھپ رہی ہے دو سو سے زیادہ صفحے چھپ چکے ہین، امید ہے کہ اخیر سال تک یہ پوری ہوکر قدردانوں کے ہاتھوں میں پہنچے،

مصر کی ڈاک سے یہ معلوم کرکے بڑا افسوس ہوا کہ محمد پاشا محمود جو زغلول پاشا کے وفد کے ممبر تھے، اور بعد کو الگ ہوکر مصر کی وزارت مین شامل ہوگئے تھے، وفات پاگئے، ان کو ہندوستان سے

یہ نسبت تھی کہ محمد علی مرحوم کے ساتھ اوکسفورڈ میں انھوں نے بھی تعلیم پائی تھی، پیرس میں وفد خلافت اور وفد مصر کی ملاقاتوں کے سلسلہ میں ان دونوں رفیقوں میں بڑی دلچسپ گفتگو ہوئی تھی، اور خاکسار سے زغلول پاشا کی نالثی میں صحیح بخاری کی صحت پر ایک پرلطف مناظرہ ہوا تھا، زغلول پاشا کا یہ فقرہ جو محمد پاشا محمود کو مخاطب کرکے انھوں نے کہا تھا اب تک کانوں میں گونج رہا ہے دع کلام یتکلم، اللہ تعالیٰ نام کی طرح اُن کی عاقبت بھی محمود فرمائے،

—•>✻<•—

ہمارے صوبہ میں اسلام کے سیاسی اور اقتصادی نظام اور اصول کی ترتیب کیلئے جناب نواب صاحب چھتاری کی صدارت میں ایک چھوٹی سی مجلس بنائی گئی ہے، جسکا پہلا اجلاس دار العلوم ندوۃ العلماء کے عباسیہ ہال میں شروع جنوری میں ہوا، اور اس کے ارکان مولنا ابو الاعلیٰ مودودی، مولنا عبد الماجد دریابادی، مولنا شبیر احمد عثمانی، مولنا آزاد سبحانی، مولنا عبد الحامد بدایونی، ڈاکٹر ذاکر حسین اور خاکسار بنائے گئے، اور یہ طے پایا کہ مستند علماء اور لائق جدید تعلیم یافتہ اہل علم کی باہمی معاونت سے پہلے اسلامی سیاست و اقتصاد پر ایک معتبر کتاب تالیف کیجائے، اور پھر اس میں سے اس حصہ کو الگ کیا جائے جو موجودہ زمانہ میں اور ہندوستان کی موجودہ صورت حال میں بھی قابل عمل ہو،

—~~~—

ہندوستان کے مختلف علماء اور اہل علم سے اس باب میں خط و کتابت ہو رہی ہے، نہیں کہا جا سکتا کہ تعاون کس حد تک حاصل ہو سکتا ہے، لیکن بہر حال ایک دو آدمی بھی مستعد ہو جائینگے تو یہ کام کسی نہ کسی طرح انجام پا جائیگا، لیکن اصل ضرورت ان بیتاب قلوب کی ہے جو اس راہ میں سرفروشانہ آگے بڑھیں اور جو کچھ بھی ہو وہ کر بھی گذریں، یعنی جس اسلامی زندگی کی انھیں تلاش ہے اس کا پتہ جب پالیں تو اس کے حصول و عمل کو اپنی ہر قسم کی جد و جہد کا مرکز بنالیں،

مقالات

ابو البرکات بغدادی اور اسکی کتاب المعتبر

سید سلیمان ندوی

(۲)

کتاب المعتبر یہ بڑی بلند پایہ کتاب ہے اور اپنے طرز میں بے نظیر، چنانچہ علماء نے اسکی بڑی قدر کی! قاضی اکرم جمال الدین قفطی کہتے ہین،

"ابو البرکات بہترین معالج تھا، متقدمین اور متاخرین کی کتابون سے واقف اور اُنکو سمجھتا تھا، اوس نے المعتبر کے نام سے ایک کتاب لکھی جس مین ریاضی کے سوا منطق، طبعیات، اور الٰہیات کی بحثین آگئی ہین، عبارت کے لحاظ سے بہت ہی فصیح اور ادائے مطلب مین بہت واضح ہے، اس عنوان پر اس زمانہ کی بہترین کتاب ہے"، !

شہرزوری نے امام فخر الدین رازی کے متعلق لکھا ہے کہ حکمأ پر امام رازی نے جس قدر اعتراضات کئے ہین، وہ سب درحقیقت ابو البرکات یہودی کے ہین، ! اگرچہ اس بیان سے امام رازی کی تنقیص مترشح ہوتی ہے، لیکن ابو البرکات کا مرتبہ تو بڑھ ہی جاتا ہے کہ ان کے بیان کردہ نکات امام رازی کی بارگاہ مین قبول ہوئے، ! شہرزوری اشراقی تھے، امام رازی سے انھیں کوئی دلچسپی نہ تھی، اس لئے اُن پر کھلے ہوے طعن کئے ہین، !

متکلم اسلام امام ابن تیمیہ نے اپنی کتاب "الرد علی المنطقین" اور کتاب "العقل والنقل" مین بار بار ابو البرکات کا ذکر کیا ہے، خصوصاً صفات باری کے مسائل مین اوس کا بار بار حوالہ دیا ہے، جو لوگ یہ کہتے ہین، کہ چونکہ اللہ تعالیٰ حدوث و تغیر سے پاک ہے، اس لئے وہ جزئیات حادثہ کے علم سے بھی منزہ ہے، ابو البرکات ان کا رد کرتا ہے، وہ خدا کو جزئیات کا عالم مانتا ہے، اور کہتا ہے کہ جزئیات کے علم سے ذات الٰہی مین تغیر ماننا ضروری نہین،

امام ابن تیمیہ کتاب العقل والنقل جلد ۲ ص ۸۵ مین، ابو البرکات سے نقل کرتے ہین!

"ذات باری مین مطلق تغیر کے منع کے بارے مین جو کچھ کہا گیا ہے، کہ اس سے علم باری مین تغیر لازم آجائے گا، یہ لزوم کسی طرح صحیح نہین ہے"

اسی طرح جلد ۲ ص ۸۳ مین علامہ نے اس چیز کو نقل کیا ہے، جو ابو البرکات نے اپنے سوالات مین قدم عالم کے دونون اقوال مین سے معتبر مین بیان کیا ہے،

جلد ۳ ص ۲۲۳ مین ہے،

ابو البرکات نے ابن سینا پر اعتراض کیا ہے، جس سے ذاتی مقوم اور عرضی لازم کا فرق واضح ہوتا ہے، ابو البرکات چونکہ ائمہ مشائین کے اقوال کو دلائل سے جانچتا تھا، ان کی نری تقلید نہیں کرتا تھا، اور نہ اُن کے لئے تعصب رکھتا تھا، جیسا کہ ابن سینا وغیرہ کا طریقہ ہے،

علامہ ابن تیمیہ نے اسی کتاب کے جزء ثانی ص ۱۱ اور جزء رابع ص ۲۵۷ مین پھر ابو البرکات کا ذکر کیا ہے، نیز اپنی کتاب "منہاج السنۃ" میں اس کا ذکر کرتے ہین، اور اسکی تعریف مین کہتے ہین کہ وہ حدیث اور سنت سے زیادہ قریب تھا"

منہاج السنۃ جلد ۱ ص ۹۰ مین اسکی وجہ یہ بتائی کہ

ابن سینا نے ان متکلمین کے درمیان پرورش پائی، جو صفات کے منکر تھے، ابن رشد کا ماحول کلابیہ کا تھا، ابو البرکات بغداد کے علماے سنت وحدیث کے درمیان پروان چڑھا"

اس سے پہلے کہا،

"ابو البرکات اور انہی جیسے لوگون کے اقوال زیادہ صحیح ہوتے ہین، اس لئے کہ یہ لوگ عقلی نظریات مین مقلد جامد نہیں ہین، ان کے علوم انوار نبوت سے ماخوذ ہین، ابو البرکات نے اللہ کے عالم جزئیات ہونے پر بہترین بحث کی ہے، اور اپنے پیش رو ؤن کا خوب رد کیا ہے"

الرد علی المنطقین ص ۹۹ مین فرماتے ہین :۔

"ابو البرکات وغیرہ نے ارسطو کا خوب ہی رد کیا، اس لئے کہ یہ لوگ کہتے ہین، کہ ہمارا مقصود طلب حق ہے، کسی شخص یا کسی کے قول کے ساتھ خواہ مخواہ عقیدت ہمارا شیوہ نہین"

مشائین دس عقول کے قائل ہین لیکن اس کے انحصار کی کوئی دلیل ان کے پاس نہین، ابو البرکات اس عدد خاص کا قائل نہ تھا،

علامہ ابن تیمیہ نے ص ۱۲۱ پر لکھا ہے،

اور یہی عقول عشرہ ہین یا اوس سے زیادہ، ان لوگون کے نزدیک جو ان کو زائد مانتے ہین مثلاً سہروردی اور ابو البرکات وغیرہ،

صفات باری کے سلسلہ مین قدیم کے ساتھ حادث کے قیام کو وہ محال نہین سمجھتا تھا،

علامہ ص ۲۲۴ پر کہتے ہین،

"اور ان مین سے جنھون نے صفات کے قیام کو باری تعالیٰ کے ساتھ جائز رکھا ہے، انھون نے

قدیم کے ساتھ حادث کے قیام کو جائز قرار دیا ہے، یہ مسلک قدمارمین اکابر علما کا ہے،

متاخرین مین ابوالبرکات کا بھی یہی خیال ہے،

ص ۲۹۲ پر فرماتے ہین :-

"ابوالبرکات نے انہی کے مسلک کی پیروی کی ہے لیکن ان کی پوری تقلید نہیں کی ہے،

بلکہ اپنی عقل و فہم سے جانچا بھی ہے"-

مسئلہ صفات مین کہتے ہین :-

"ابوالبرکات نے جب ارسطو کے قول کی خرابی جان لی، تو اس کا رد کیا، جیسا کہ "کتاب المعتبر"

مین ظاہر کیا ہے" ص ۵۵۴

صفاتِ باری کے سلسلہ مین تسلسلِ حوادث کا نظریہ درحقیقت اسی ابوالبرکات کا پیش کیا ہوا ہے،

جس کو علامہ ابن تیمیہ نے بڑی شد و مد سے قبول کیا ہے، اور اپنی کتابون مین بار بار اس کا ذکر کیا ہے،

ص ۴۰۶ مین ہے،

"یہ لوگ ایسے حوادث کو جائز قرار دیتے ہین جن کی کوئی ابتدا نہین ہے، اسی لئے ان کے

اکثر اکابر اور متاخرین میں ابوالبرکات نے اثباتِ صفات اور قیامِ حادث بالواجب مین

ان سے اختلاف کیا، اور فلاسفہ سے کہا کہ تمھارے پاس اس مسئلہ مین کوئی دلیل نہین ہے"

علامہ سبکی شافعی اشعری نے "تسلسلِ حوادث بلا اول" کے نظریہ کی بنا پر ابن تیمیہ پر قدمِ عالم

کے قائل ہونے کا الزام قائم کیا ہے،

ابن تیمیہ نے اس الزام کی تردید کی ہے، کیونکہ قدمِ عالم کے ماننے والے خدا کو مضطر و مجبور مانتے ہیں

مضطر و مجبور ہین، اور تسلسلِ حوادث کے قائل خدا کو صاحبِ ارادہ اور صاحبِ مشیت تسلیم کرتے ہین،

آخر مین ص ۵۰۴ مین کہا ہے،

"اس کے ماننے سے قدمِ عالم کا ماننا لازم نہین آتا، اس کے ماننے والون کے دو گروہ ہین، ان مین

سے ایک یہ کہتا ہے، کہ "اللہ تعالیٰ جو کچھ کرتا ہے، وہ اپنی قدرت اور مشیت سے کرتا ہے، ابوالبرکات

نے جو دو قول نقل کئے ہین ان میں سے ایک یہ بھی ہے، اور اسی کو اُس نے اختیار کیا ہے"!

ابوالبرکات نے طبعیات کے مسائل مین بہت سی نادر باتین پیدا کی ہین، عام طور سے لوگون

کا خیال تھا، کہ مسائلِ طبیعی بھی الٰہیات اور منطقیات کی طرح ٹھوس ہین، ان مین کسی قسم کی کمی یا زیادتی

ممکن نہین، ابوالبرکات نے اس غلط خیال کی پردہ دری کی ہے، اور یہ ثابت کیا ہے، کہ مسائلِ طبیعیہ کی

بنیاد وہم و قیاس اور کورانہ تقلید پر نہین، بلکہ مشاہدہ و تجربہ پر ہے،

حکمار کا خیال تھا کہ دو حرکتِ مستقیمہ کے درمیان سکون لازم ہے، اسی بنا پر وہ افلاک کی

گردش مین حرکتِ مستقیمہ کے منکر تھے، اس لئے کہ حرکتِ مستقیمہ کے لئے سکون لازم ہے، اور افلاک

کا سکون فسادِ عالم کا موجب ہے،

ابوالبرکات نے اس سے تعرض کیا، اور کہا کہ جو لوگ دو حرکتِ مستقیمہ کے درمیان سکون

کو لازم نہیں قرار دیتے ہین، وہ کہتے ہین کہ اگر ہم فرض کرین کہ ایک بڑا پتھر بلندی سے گرا، راستہ مین

کھجور کی گٹھلی کی مانند ایک چیز سے اسکی ٹکر ہوئی، اب تمھارا کیا خیال ہے، ؟ گرنے والا پتھر اپنے ساتھ ہی

اس کو نیچے لیتا آئے گا، جس وقت یہ دونون ملین گے، اس وقت وہ بڑا پتھر اس چھوٹی کنکری کی وجہ

سے تھوڑی دیر کے لئے رک جائے گا، آخری شق تو بالکل محال ہے،

ابوالبرکات کے اصلی الفاظ یہ ہین لیکن بعد کو نقل کرنیوالون نے ان مین ترمیم کر دی جیسا کہ میبذی کی شرح

ہدایۃ الحکمۃ اور ملا محمود جونپوری کی شمس بازغہ سے معلوم ہوسکتا ہے !

حکمار نے ابوالبرکات کی اس دلیل کے جواب دینے کی پوری کوشش کی، چنانچہ محقق طوسی نے جواب

دیا، اور اسکو امام رازی نے ذکر کیا، دونون جماعتون کے درمیان محاکمہ کرنے کے بعد انھون نے کہا کہ

منکرین سکون کی دلیل زیادہ قوی معلوم ہوتی ہے،

(مباحث مشرقیہ جلد ا ص ۶۲۱)

فاضل میبذی نے شرح ہدایۃ الحکمۃ مین طبیعات سے متعلق ابو البرکات کی بہت سی قابل قبول باتین نقل کی ہین، فلک کی حرکت مستدیرہ کے بیان مین کہتا ہے!

"ابو البرکات بغدادی کہتا ہے، کہ حرکت کا وجود بلا کسی زمانہ کے متصور نہین ہوسکتا، پس وہ زمانہ جس کو حرکت کی ماہیت مقتضی ہے، محفوظ اور حرکات ثلثہ (حرکت عدیم المیل، حرکت ذی المیل الاقوی، حرکت ذی المیل الاضعف) مین متحقق ہوگا، اور جو کچھ اس پر زائد ہوگا، وہ مانع کے لحاظ سے ہوگا، پس ضروری ہے، کہ اجسام ثلاثہ ایک ساعت مین اصل حرکت کی وجہ سے مشترک ہون، اور یہ زمانہ حرکت عدیم المیل کا ہے، محقق طوسی نے اس کا جواب دیا ہے، لیکن وہ جواب بہتر نہیں ہے، البتہ ابو البرکات نے جو کچھ کہا وہ روز روشن کی طرح عیان ہے"،

چشمون کی پیدایش کے ضمن مین فاضل میبذی ابو البرکات کی رائے نقل کرتا ہے:

"ابو البرکات معتبر مین کہتا ہے، کہ چشمون وغیرہ کا سبب برف اور بارش ہے، کیونکہ برف اور بارش کی کمی اور زیادتی سے ہم ان چیزون مین بھی کمی اور زیادتی محسوس کرتے ہین، زمین کے اندرونی بخارات اور ہواؤن کا اس میں کوئی دخل نہیں ہے اس کی دلیل یہ ہے، کہ زمین کا اندرونی حصہ گرمی مین بہ نسبت جاڑے کے زیادہ ٹھنڈا رہتا ہے، اگر اس کا سبب زمین کے بخارات وغیرہ کا استحالہ ہوتا تو چاہئے تھا، کہ چشمے اور کنوین کا پانی گرمی مین زیادہ اور جاڑون میں کم ہو، حالانکہ حقیقت اس کے برعکس ہے جیسا کہ تجربہ ہے"،

میبذی کہتا ہے، اس مسئلہ مین صاحب معتبر کی رائے معتبر ہے،

ان معتبر کتابون کے حوالون سے یہ بات ظاہر ہوگئی، کہ ابو البرکات کی رائین کس قدر صائب اور اوس کے مسائل کتنے صحیح ہوتے ہین، ؟ اور اہل علم کی بارگاہ مین اوس نے کس طرح حسن قبول پایا؟

ابو البرکات اپنی کتاب کے مقدمہ مین کہتا ہے، کہ اوس نے اس کتاب کو اپنے ایک بڑے اور پرانے شاگرد کی درخواست پر لکھا ہے، وہ طالب علم اس کا کاتب اور مستملی، نیز علوم مین کامل ہے!

ابو البرکات نے اپنے اس شاگرد کا نام نہین تبلایا ہے، لیکن ابن ابی اصیبعہ نے شیخ موفق الدین عبد اللطیف بغدادی (صاحب الاعتبار ان کے والد ابو البرکات کے شاگرد تھے)، سے نقل کیا ہے، کہ ان سے ابن الدھان منجم (شاگرد ابو البرکات) نے بیان کیا کہ ابو البرکات آخر عمر مین نابینا ہوگیا تھا، اور وہ جمال الدین ابن فضلان، ابن الدہان المنجم، یوسف (والد شیخ موفق الدین عبد اللطیف) اور مہذب ابن النقاش پر کتاب المعتبر کا املا کیا کرتا تھا، (طبقات الاطبا جلد اول ص ۲۸۰، مصر)

ابو البرکات کے دوست بھی تھے، دشمن بھی تھے، یاقوت معجم الادبا میں کہتے ہین، کہ ابن التلمیذ ہبۃ اللہ جو ایک فاضل طبیب تھا، اور ابو البرکات، دونون خلیفہ مستضی بامر اللہ کے دربار میں تھے، ان دونون میں چشمک رہتی تھی، یاقوت نے ایک واقعہ بھی نقل کیا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابو البرکات اپنے معاصر کے لئے ایک چال چلتا تھا، مگر اس مین ناکام رہا، (۷-۲۴۴)

ارسطو کے حامیون مین ایک شخص ظہیر الدین علی بن زید البیہقی (صوان الحکمۃ کے ضمیمہ تتمہ تاریخ الحکما کا مصنف) متوفی ۵۶۵ھ ہے اوس نے ابو البرکات کے رد مین ایک کتاب "المشتہر فی نقض المعتبر" لکھی، اس کتاب کا حال معلوم نہین اسلئے اسکے متعلق کوئی رائے نہیں ظاہر کیجا سکتی ہے،

ابو البرکات اپنی کتاب کے شروع مین حمد کے بعد کہتا ہے :-

قدیم علما، حکما، کا قاعدہ تھا، کہ وہ کتابت اور قرأت کے بجائے زبانی درس دیا کرتے تھے، اور

شاگرد کی عقل وفہم کے مطابق گفتگو کیا کرتے تھے، اس طرح ان کے علوم نہ تو نااہلون کے پاس پہونچتے تھے، اور نہ غیر مناسب اوقات مین شاگردون کے سامنے پیش ہوتے تھے، اس زمانہ مین طلبہ اور مدرسین کی بڑی جماعت ہوتی تھی، ان کی عمرین کافی ہوتی تھین، ایک جماعت سے دوسری جماعت کے پاس علوم بغیر کسی کمی کے پہونچ جایا کرتے تھے،!

لیکن جب اہلِ علم اور طلبہ کم ہونے لگے، عمرین تھوڑی ہونے لگین، ہمتین پست ہوگئین بہت سے علوم طلبہ اور اساتذہ کی کمی کی وجہ سے ختم ہونے لگے، تب علما نے تصنیف وتالیف کا کام شروع کیا، تاکہ اس طرح علم باقی رہے، اور آیندہ نسلیں یا دور دراز کے باشندے جو اس کے اہل ہون، وہ ان تصانیف سے نفع اٹھا سکین،!

ان تصانیف مین علما نے مشکل عبارتین اور دقیق مضامین لکھے، تاکہ اہلِ عقل ہی اسکو سمجھ سکین، اور علم نااہلون سے محفوظ رہے،!

جب اہلِ علم کا فقدان برابر جاری رہا، تو متاخرین نے ان کی تصانیف کی مشکلات کی شرح اور ان کی اجمالی باتون کی تفصیل شروع کردی، اس طرح تصنیف وتالیف کا دائرہ بہت وسیع ہوگیا، اور اس زمرہ مین نااہل بھی شامل ہوگئے، اہلِ علم کا کلام جاہلون کے کلام سے مخلوط ہوگیا،

جب مجھکو علومِ حکمت کی طرف توجہ ہوئی، اور اس سلسلہ مین متقدمین کی کتابون اور متاخرین کی شرحون کو دیکھنے کا موقع ملا، تو حال یہ تھا، کہ مین پڑھتا بہت تھا، لیکن علم کم حاصل ہوتا تھا، کیونکہ قدما کا کلام، اختصار زبان مین نقل در نقل، اور عبارتون مین اختلال کی وجہ سے مشکل سے سمجھ مین آتا تھا، اسی طرح متاخرین کا کلام طولِ بیان، مشکلات شرح اور اصلی دلائل سے خالی ہونے کی وجہ سے غیر مفید تھا، اس وقت مین فہم مطالب کے لئے غور وفکر کرتا، کبھی میری رائے قدما میں سے کسی کے مخالف اور کسی کے موافق ہوتی، اور کبھی ایسا بھی ہوتا، کہ غور وفکر سے ایسی چیزین سامنے آتین

جو کسی کتاب مین نہ موجود ہوتین، اور نہ اب تک کسی کا ذہن ادھر متوجہ ہوا تھا،

یہ تمام چیزین محض زبانی یادداشت سے باقی نہین رہ سکتی تھین، اس لئے مین نے ان باتون کو سوچنے سمجھنے کے لئے سپرد اوراق کردیا تھا، بعض لوگون نے اس کے مسودات کی نقل چاہی، لیکن مین نے اس خیال سے روک دیا، کہ اس طرح نااہل کے پاس ان کے پہنچنے کا اندیشہ تھا،

جب اس قسم کے اوراق زیادہ ہوگئے، اور ان مین ایسی علمی باتین آگئین جن کا ضائع کرنا آسان نہ تھا، اور لوگ ان کے جمع کرنے کے خواہشمند بھی تھے، اس سلسلہ مین سب سے زیادہ خیال مجھے اپنے قدیم اور بڑے شاگرد کی خواہش کا تھا، جو درحقیقت ان کے کاتب اور علوم مین پختہ ہین! تو مین نے علومِ حکمت وجودیہ طبیعیہ اور الٰہیہ مین اس کتاب کی تصنیف قبول کی،! اور المعتبر اس کا نام رکھا، یہ نام اسلئے رکھا کہ مین نے اس مین وہی مضامین رکھے ہین، جنکو خوب اچھی طرح پرکھ لیا ہے، اور ان پر کافی غور کرلیا ہے، مین نے اس کتاب مین ایسا نہین کیا ہے، کہ کسی مسئلہ میں اکابر کی رائے سے محض اسلئے اتفاق کرلیا، کہ وہ بڑے ہین، یا چھوٹون سے محض اسلئے اختلاف کیا کہ وہ چھوٹے ہین، بلکہ حق ہمیشہ پیش نظر رہا، حق اصل رہا، اور موافقت ومخالفت کو عرض کا درجہ حاصل رہا،

اس کتاب مین مین نے علومِ وجودیہ پر علومِ منطق کو مقدم رکھا ہے، جس کے لئے کہا جاتا ہے کہ یہ فکر وتدبر کا پیمانہ ہین، اور اجزاء مقالات ومسائل کی ترتیب مین مین نے وہی راستہ اختیار کیا ہے، جو ارسطو نے اپنی منطق، طبیعی اور الٰہیات کی کتابون مین اختیار کیا ہے، ہر مسئلہ مین مین نے معتبر حکما کے نظریات بیان کئے ہین، اور غور وفکر کے مطابق دلائل کا بھی ذکر کیا ہے، پھر مین نے ان مسائل پر تنقید کی ہے، اور جو کچھ سمجھ سکا ہون، اس کو دلائل کے ساتھ بیان کیا ہے، اسکے سوا خواہ کچھ بھی ہو اور کسی طرف سے بھی ہو اس کو مین نے ترک کیا ہے، جیسا کہ ناظرین کو معلوم ہوجائیگا،!

کتاب تین فنون پر مشتمل ہے منطق، طبیعیات، الٰہیات، قفطی نے یہی بیان کیا ہے، اور خود

مصنف کی زبان سے بھی تم اوپر یہی سُن چکے ہو، اس سے حاجی خلیفہ کے اس قول کی غلطی معلوم ہوتی ہے،
کہ ابوالبرکات کی کتاب المعتبر منطق مین ہے، غالبًا ان کو معتبر کا پہلا ہی حصہ پہونچا، جو منطق مین ہے،
کتاب کا جزو اول منطق مین ہے، اسی سے کتاب کی ابتدا ہے، ابوالبرکات اس مین ارسطو کے
نقش قدم پر چلا ہے، لیکن اندھی تقلید یہان بھی نہین کی ہے، بلکہ ارسطو کی غلطیون کی تصحیح کی ہے اور
جو کچھ اوس نے چھوڑ دیا، اسے پورا کیا، شروع میں ابوالبرکات نے ایک مقدمہ لکھا ہے، جس سے معلوم
ہوتا ہے، کہ وہ منطق کی حقیقت سے واقف ہے، اور اس سے بھی واقف ہے کہ منطق کہان تک
اور کس قدر ضروری ہے؟ اوس نے متاخرین کی طرح جن کے نزدیک منطق ایک طلسم ہے منطق
کی فضول تعریف نہین کی ہے، ابوالبرکات نے اپنے مقدمہ مین منطق کی یہ تعریف کتنی اچھی کی ہے،

انھا قوانین الانظار وعروض الافکار،	علم منطق مسائل مین غور وبحث کے اصول کا نام ہے اور غور وفکر مین اسکی حیثیت وہی ہے جو وزن شعر مین فن عروض کی ہے

گویا جس طرح علم عروض سے یہ معلوم ہوتا ہے، کہ کون شعر درست ہے، اور کون غلط؟ اسی
طرح منطق سے حدو برہان کی غلطی یا صحت معلوم ہوتی ہے،

کتاب کا یہ حصہ منطق کے پانچ مقالات پر، اور ہر مقالہ متعدد فصلون پر مشتمل ہے، پہلا مقالہ
حدود اور اس کے مقدمات (جن کو اوس نے "معارف" کے نام سے تعبیر کیا ہے) اور حدود اور رسوم
کے ذریعہ معانی کے تصور پر ہے، اس میں سولہ فصلیں ہین، پہلے مقالہ کے خاتمہ پر کہتا ہے،

"حدود کی بحث مین چند باتین باقی رہ گئی ہین، جو برہان اور حدود کے مناسبات سے آئین گی
اور یہ اس سے کہیں زائد ہین، جتنا کہ متقدمین نے حد کی بحث مین اپنی کتابون مین بیان
کیا ہے، اسی لئے وہ حدود کو برہان کے بعد ذکر کرتے ہین، اور اس میں بہت تھوڑی

گفتگو کی ہے، اور جس نے اوس پر سیر حاصل بحث کی ہے، وہ اسکو علم کلی کے ضمن مین لایا ہے"

دوسرا مقالہ سات فصلون مین اُن علوم پر ہے، جن سے تصدیق و تکذیب ہوتی ہے، ان فصلون
مین ایجاب وسلب، قضایا کلیہ، قضایا جزئیہ، اور قضایا کی قسمون سے بحث کی ہے، اس کے بعد تیسرا
مقالہ تیرہ فصلون مین قیاس پر ہے، ان مین پہلی فصل قضیون کی صورۃ تالیف پر ہے، جن کے علم سے
مجہول کا علم حاصل ہو، اس مین شکلون اور ان کے نتائج سے بحث کی ہے، چوتھا مقالہ سات فصلون
مین علم برہان پر ہے، اس مین اقسام مقدمات بیان کئے ہین، اس جزو کا پانچوان اور آخری مقالہ
طوبیقا پر ہے، جو بقول مصنف علم المناظرہ ہے،

حقیقت یہ ہو کہ مصنف نے حد ذاتی اور عرضی اور قیاس کی شکلون کی بحث میں کمال کر دیا
ہے، حافظ ابن تیمیہ نے الرد علی المنطقیین مین اکثر ابوالبرکات کے اقوال کو پسندیدگی کے ساتھ ذکر کیا ہے،

کتاب کا دوسرا اور اہم حصہ طبیعیات مین ہے، جو یہان ملتا ہے، وہ بڑی بڑی کتابون مین نہین
ملتا ہے، مجھکو زیادہ جو چیز پسند آئی، وہ یہ کہ ابوالبرکات اس بات کا یقین رکھتا ہے، کہ طبیعیات کا
تعلق تجربہ اور مشاہدہ سے ہے، اس مین صرف قیاس اور محض وہم کو دخل نہیں ہے، اسی لئے وہ طبیعیات
مین اپنے ہم مشربون سے الگ رائے رکھتا ہے، فصل اول مین تعلیم و تعلم کے سلسلہ میں کہتا ہے،

"متعلمین دو طرح کے ہوتے ہین، ایک وہ جو بلا قصد و ارادہ کے اتفاقیہ طور پر واقفیت
حاصل کرتے ہین، ان کا معلم درحقیقت زمانہ ہوتا ہے، زمانہ کی نیرنگی، واقعات کا الٹ پھیر،
موجودات مین غور و فکر، اُن کیلئے بہترین سبق ہین، اس طرح کے واقفین میں بچون کی
بہ نسبت نوعمرون اور جوانون کی بہ نسبت بڈھون کا علم زیادہ ہوتا ہے، اور روز
بروز زیادہ ہوتا رہتا ہے"

دوسرے طالبان علوم وہ ہین، جو قصد و ارادہ سے علوم حاصل کرتے ہین، ان کو ضرورت

ہوتی ہے، کہ کسی سے معلومات حاصل کرین، ارباب علم و فن کے سامنے زانوے تلمذ تہ کرین، غور و فکر سے کام لین،

"ان دونون طریقون کے لئے مبادی و اسباب ہوتے ہین، جو ایک دوسرے کے مشابہ ہوتے ہین، کیونکہ علم مجمل کی تکمیل اسکی تفصیلات سے اور کلی کی معرفت جزئیات سے اور مرکب کی بسائط سے اور بعید کی قریب سے ہوتی ہے"!

فصل ثانی مین طبع و طباع کی حقیقت اور خواص اشیا، کی وضاحت کے بعد کہتا ہے:-

علوم طبعیہ ان علوم کا نام ہے' جو امور طبعیہ کا مشاہدہ کرتے ہین، وہ ہر متحرک و ساکن جس سے حرکت و سکون ہو جس کی طرف ہو، اور جس مین ہو، اس پر نظر رکھتے ہین، اور طبعیات انہی اشیا، اور اُن کے احوال و حرکات اور افعال کا نام ہے، جو اجسام مین حواس کے تحت مین واقع ہین پس پہلے علم ظاہر کا ہوتا ہے، پھر خفی کا، پھر اخفیٰ کا،! الخ

اسی لئے ہم دیکھتے ہین کہ ابو البرکات کی زیادہ توجہ بجاے قیاسات اور کلیات کے مشاہدات پر ہے، اسکی کتاب سے چند مثالین یہان بیان کی جاتی ہین!

(باقی)

ابن خلدون

مصری یونیورسٹی کے مشہور پروفیسر ڈاکٹر طٰہ حسین نے ڈاکٹریٹ کی ڈگری کے لئے ابن خلدون اور اسکے فلسفہ اجتماعی پر فرنچ زبان مین ایک مقالہ لکھا تھا جس کا ترجمہ انہی کے ایما سے محمد عبداللہ المنان نے عربی مین کیا اب اس عربی ترجمہ کا اردو ترجمہ مولینا عبدالسلام ندوی نے نہایت خوبی سے کیا ہے یہ کتاب درحقیقت ہماری زبان مین اجتماعیات پر ایک بہترین اضافہ ہے، اور بالکل پہلی مرتبہ ابن خلدون کے نظریۂ اجتماعی کو اس وسعت اور تفصیل کے ساتھ پیش کیا گیا ہے، حجم ۲۰۰ صفحے، قیمت:- عمر

منیجر

اقبال اور برگسان

از

مولانا عبدالسلام خان صاحب رامپوری

یہ مقالہ علامہ سید سلیمان صاحب ندوی کی زیر صدارت ۱۹ ر ستمبر ۱۹۴۰ء کو صولت پبلک لائبریری رامپور کی تقریب یوم تاسیس پر پڑھا گیا، "عبدالسلام"

اقبال غالبًا پہلا مسلمان فلسفی ہے، جس نے مغربی فلسفہ کی بنیاد پر مشرقی خیالات کی عمارت کھڑی اور ایک مکمل نظام کی تشکیل کی ہے، اقبال کا یہ فلسفیانہ نظام لا مذہبی کے بجاے ایک خاص مذہب یعنی اسلام سے متعلق ہے، جس کے لئے قدیم اصطلاح "کلام" ہے، "قدیم کلام" اوس دور کی عقلیت پر قائم تھا، اقبال کا "کلام" موجودہ عقلیت پر مبنی ہے، اقبال کا یہ "کلام" اس معنی مین متصوفانہ کلام ہے، کہ اس مین کائنات کی مجموعیت کی حمایت کی گئی ہے، جس کا بیشتر حصہ وجدانی اور نفسیاتی تجربات پر قائم ہے، اس کے ڈانڈے مادیت کے بجاے روحانیت سے ملے ہوئے ہیں، اس جدید کلام پر غور کرنا اس مین کمی بیشی کرنا یا اس کے نظریون کی توضیح اور تعمیم کرنا بعد کے متکلمین کا کام ہے، اقبال کے کلام کے ترکیبی اجزا، بڑی حد تک مغربی ہین، لیکن اور کون متکلم یا فلسفی ہے جس کے

نظریون کی بنیاد دوسرون کے خیالات کی مرہون نہین، دیکھنا یہ ہے، کہ اقبال کی مجموعی عمارت
کیسی ہے، اور اوس کے لئے اقبال نے جس ساز و سامان کا انتخاب کیا ہے، یا جس کو مسترد کیا ہے
اسکی کیا اہمیت ہے، اقبال کی صحیح قیمت کا اندازہ اسکی مکمل عمارت سے ہی کیا جا سکتا ہے، نہ کہ
اجزار کی جدت اور ندرت سے، یہ بھی صحیح نہیں کہ اقبال کے اجزار مین کوئی جدت نہین، ان کے کلام
کے بہت سے اجزار خالص انہی کی جدتِ طبع کا نتیجہ ہین،

اقبال کے فلسفہ پر اور ان اثرات پر جو دوسرے مفکرین کے ان کے فلسفے پر پڑے ہین،
اس تھوڑی سی مدت مین بہت کچھ لکھا جا چکا ہے، جو آئینہ ہے مسلم نوجوانون کی غیر معمولی عقیدت
کا، یہی وجہ ہے کہ اقبال کے متعلق عام تحریرین زیادہ تر معتقدانہ ہین تاہم اقبال پر اب بھی بہت
کچھ لکھنا باقی ہے، خواہ معتقدانہ ہی کیون نہ ہو، زیرِ نظر مقالہ اسی سلسلہ کی ایک طالب علمانہ کڑی ہے
اور محض اظہارِ عقیدت کے طور پر،

اقبال کے کلام کی فکری خصوصیت

اقبال نے نظم و نثر دونون مین اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے، ان کی نظمون مین
ہم آہنگی ہے، حیات کا خاص تصور ہے، دعوتِ عمل ہے، ایک خاص مرکز کی
طرف جس سے دوسرے شعرار کا کلام خالی ہے، ان کی نظمین مخصوص فکری نظام کی حامل ہین، ان مین
متصوفانہ تصوریت اور اسلام ایک دوسرے مین جذب ہین، اس فکری نظام کی بنیاد اور اسکی تفصیلات سمجھنے کیلئے
اقبال کے منثور مقالات کو سامنے رکھنا ضروری ہے خصوصاً انکے "اسلامی تصورات کے تعمیر نو پر خطبات"۔

اقبال کا فکری نظام اصولاً تصوری ہے، لیکن اس مین اسلام کے عملی رُخ کو بھی نظر انداز
نہین کیا گیا ہے، بلکہ زیادہ صحیح یہ ہے، کہ انھون نے تصوریت اور اسلامی عملیت کو ترکیب دیکر اپنے
فلسفہ کی اساس بنائی ہے، انھون نے اپنے خیالات کی مابعد الطبیعاتی بنیاد کے لئے ایسی تصوریت
کا انتخاب کیا ہے، جو تصوریت اور مادیت کے بین بین ہے، عموماً مذاہب مادی فلسفہ پر قائم نہین ہوتے

مذاہب کی بنیاد کے لئے تصوریت ہی کو اختیار کرنا پڑتا ہے، اسلام کی یہ خصوصیت ہے کہ وہ نہ خالص
مادیت پر قائم ہو سکتا ہے، اور نہ خالص تصوریت پر، غالباً اقبال نے اسی وجہ سے فرانس کے مشہور
فلسفی ہنری برگسان کی مابعد الطبیعیات کو اپنے کلام کی اساس قرار دیا، اقبال نے برگسانی مابعد
الطبیعیات کو جون کا تون اختیار نہین کیا، انھون نے اوس کے بہت سے خلاؤن کو پُر بھی کیا ہے
اور نئی چیزون کا اضافہ کیا ہے، پھر بھی دونون کے نظامہائے فکر اصولاً ایک ہی ہین، دونون کی ابتدار ایک
ہی نقطہ سے ہوتی ہے، اور دونون کا منتہی بھی آخر مین کسی نہ کسی حد تک ایک ہی ہو جاتا ہے،

علم اور اس کے ذرائع

علم کا مسئلہ فلسفہ کے ہر دور مین غور و فکر کا مرکز بنا رہا ہے، مگر عموماً یہ بحث اوس
کی کونیاتی حیثیت، یعنی اوس کی حقیقت، اوس کی قسمون اور اوس کے ذرائع و وسائل تک محدود رہی
لاک نے سب سے پہلے علمیاتی طور پر اس کا امتحان کیا، برکلے نے نفس الامر سے اوس کے تعلق پر غور کیا،
اور ثابت کیا کہ علم اور حقیقت ایک ہی شے ہے، اوس کے بعد سے علم کا حقیقت سے تعلق انتقادی فلسفے
کا ایک اہم جزو بن گیا، علم کی دو صورتین ہین، فکر اور وجدان، سوال یہ ہے کہ ذریعۂ علم ہونے کے اعتبار
سے کونسا علم صحیح ہے، اگر ہم حقیقت کو جاننا چاہین، تو علم فکری کی طرف رجوع کرین یا وجدان کی طرف،
صوفیہ بالعموم وجدان کو ترجیح دیتے ہین، اور فلاسفہ علم فکری کو کانٹ نے سب سے پہلے ان دونون
کے متعلقات مین خطِ امتیاز کھینچا، مسلم متصوفین کے عام مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے، کہ اون کے نزدیک
بھی علم فکری اور علم وجدانی کے معلومات اور متعلقات مین فرق ہے، چنانچہ وہ مابعد الطبیعیاتی مسائل
مین وجدان کو تسلیم کرتے ہین، اور عام کاروباری مسائل مین علم فکری کی اہمیت سے انکار نہین کرتے،
برگسان تاریخِ فلسفہ مین پہلا شخص ہے، جس نے حقیقتِ مطلقہ کو تسلیم کرتے ہوئے وجدان کو علم فکری
پر نہ صرف ترجیح دی، بلکہ حقیقت تک رسائی کے لئے فکر کو ناکارہ ثابت کر دیا،

اقبال علم فکری کو بالکل ناکارہ نہین کہتے، مگر باطن حقیقت تک اس کی رسائی کے وہ بھی

منکر ہین، اقبال کے نزدیک ہر شے کے دو رُخ ہین ظاہری اور باطنی، اور یہ دونون رُخ حقیقت سے خارج نہین حقیقت ان دونون رخون کا ہی نام ہو علم فکری حقیقت کے ظاہری رُخ سو متعلق ہی، اور وجدان اوسکے باطنی رُخ سے، اسلئے کسی ایک کو ناکارہ مان لینے سے حقیقت کا کوئی ایک رُخ مجہول رہ جائے گا۔

برگسان اور اقبال دونون کے فلسفے کے مختلف اجزاء اس قدر ایک دوسرے سے گتھے ہوئے ہین کہ ان کو علٰحدہ علٰحدہ بیان کرنا جوے شیر لانے سے کم نہیں، اس لئے ان دونون کے مخالف اور موافق پہلوؤن کا موازنہ کرنے سے پہلے ضروری ہو کہ دونونکے نظامونکے اہم اور ضروری خط و خال کا ایک ہلکا خاکہ پیش کر دیا جائے، ان دونون کے نظامون مین چونکہ برگسان کا نظامِ فکری اصل ہے، اس لئے مین پہلے اسی کو بیان کرتا ہون،

برگسان کے نزدیک کائنات کی حقیقت

کائنات اور اسکی ہر شے برابر بدل رہی ہے، اور حرکت کر رہی ہے، ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف تبدیلی اور حرکت روزمرّہ کا مشاہدہ ہے، ہر سلیم عقل رکھنے والا جانتا ہے اور یقین رکھتا ہے، کہ اس حرکت اور تبدیلی کے پس پردہ ایک قائم اور جامد شے ہو جس پر حرکت اور تبدیلی طاری ہوتی رہتی ہو، اور اصل شے علی حالہ باقی اور مستمر ہو، عقل عمومی کے اس فیصلہ کے علاوہ ایک احتمال یہ بھی ہو کہ اس عالم کون و فساد مین حرکت اور تبدیلی کے علاوہ کوئی دوسری شے نہ ہو یعنی حرکت اور تبدیلی ہی اصل حقیقت ہون، اور انکے پردے مین کوئی قائم اور ثابت شے نہ ہو، مشہور یونانی فلسفی ہرقلیطوس اس خیال کا حامی ہے، اور یہی خیال برگسان کے فلسفہ کا مرکزی نقطہ ہے، اوس کے استدلال کا خلاصہ یہ ہے کہ کائنات مین جس شے کی ہستی اور واقعیت کا ہمین سب سے زیادہ یقینی علم ہے، وہ ہماری اپنی ذات ہے، اب اگر مین اپنی ہستی کا تجزیہ کرون، اور غور کرون کہ مین کیا ہون تو صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ مین ایک حالت سے دوسری حالت مین گذر رہا ہون، میری ہستی انہی تبدیلیون اور تغیرون مین منقسم ہے، مین اپنی ذات پر خواہ کتنی ہی زیادہ توجہ کرون، اور اس کو براہ راست گرفت کرنے

کی کوشش کرون نتیجۃً میری توجہ اور گرفت کا تعلق ہمیشہ کسی نہ کسی حالت سے ہی رہے گا، اب اگر ان نفسی حالتون کا جائزہ لیا جائے جو مجھ پر یکے بعد دیگرے طاری ہوتی رہتی ہین، اور بظاہر ایک دوسرے سے علٰحدہ اور قائم وجود رکھتی ہین، تو معلوم ہوگا، کہ "میری ہر انفرادی حالت بھی ہر لمحہ بدل رہی ہے"، چنانچہ ایک بظاہر قائم حالت کا ہر حالیہ لمحہ اپنے ماقبل کے لمحہ کے شعور اور اسکی یاد پر مشتمل ہوتا ہے، کسی حالت کے باقی رہنے کے معنی ہی یہ ہین، کہ مجھے شعور ہو، کہ اب سے پہلے بھی یہی حالت تھی، جہان یہ شعور ختم ہوتا ہے، وہین سے اس حالت کی ابتداء ہوتی ہے، یعنی جس نقطہ پر مین یہ محسوس کرون، کہ اس سے پہلے یہ حالت نہ تھی، وہی اس حالت کی ابتدا اور کسی دوسری ماقبل کی حالت کا اختتام ہے، اس کا واضح نتیجہ ایک ہی ہو سکتا ہے، "کہ اگر کسی ذہنی تبدیلی کا اختلاف ہوتا رہنا بند ہو جائے، تو اوس کے استمرار اور بقا کا بہاؤ بھی بند ہو جائے"، سوال یہ ہے کہ اگر ہماری ہر ذہنی حالت خود ایک سلسلۂ تغیر و اختلاف ہے، تو پھر ہمین کسی ایک مخصوص حالت کے اندرونی تغیرات اور اختلافات کا احساس کیون نہیں ہوتا، اور کیون تغیر کا احساس اسی وقت ہوتا ہے جب ایک حالت کے ختم ہو چکنے کے بعد دوسری نئی حالت طاری ہو جاتی ہے، برگسان جواب دیتا ہے، کہ کسی حالت کے اندرونی تغیرات بہت آہستہ آہستہ ہوتے ہین، جن کی طرف ہماری توجہ منعطف نہین ہوتی، اور "جب تغیر اتنا عظیم ہو جاتا ہے، کہ وہ خود بخود ہماری توجہ اپنی طرف جذب کر لے، تو ہم سمجھتے ہین، کہ پہلی حالت کے بجائے کوئی دوسری حالت طاری ہو گئی"، ان حالتون کا منفرد اور علٰحدہ علٰحدہ احساس حالتون کی ذاتی انفرادیتون کا معلول نہین، بلکہ منفرد اور علٰحدہ علٰحدہ توجہات کے تعلق کا نتیجہ ہے، ہماری مسلسل ذہنی حیات کے جس نقطہ پر توجہ منعطف ہو جاتی ہے، وہی ایک منفرد حالت سمجھ لی جاتی ہے،

اگر فی الواقع کسی قائم اور ثابت شے کا وجود نہین، اور حقیقی ہستی نام ہے مسلسل تغیرات کا،

تو پھر ہم محض مسلسل تغیرات کے بجائے قائم و ثابت حقیقت "انا" کو کیون محسوس کرتے ہین، اور سمجھتے ہین، کہ یہی تغیرات کا محل ہے، برگسان جواب دیتا ہے کہ چونکہ اس ذہنی حیات کا حقیقی تواتر اور بہاؤ توجہ کے الگ الگ عمل سے قطع ہو جاتا ہے، اس لئے حقیقی تواتر اور واقعی مستمر وحدت کے بجائے مصنوعی بقا اور فرضی وحدت "انا" کے نام سے تسلیم کر لینی پڑتی ہے، اس کو بے رنگ، بے تعلق، غیر متغیر، باقی اور ثابت فرض کر لیا جاتا ہے،

"انا" یا ذہنی حیات کی اس تحلیل پر برگسان پوری کائنات کو قیاس کرتا ہے، جس طرح ہماری ذہنی حیات تبدیلیان ہین، اسی طرح پوری کائنات بھی تبدیلیون کے علاوہ کچھ نہین، کائنات مین بھی کوئی ایسی شے نہین جس پر تبدیلیان طاری ہون، یا جو حرکت کرتی ہون، کائنات محض حرکت اور تبدیل ہوتے رہنے کا نام ہے،

برگسان کا تخلیقی ارتقاء

برگسان کے تصور کائنات کے مطابق کائنات جامد اور قائم شے ہونے کے بجائے متحرک، سیال اور زندہ فعل ہے، ارتقاء اسی سیلان کی حرکت ہے، کائنات کا منبع ایک مرکز قرار دیا جا سکتا ہے، جس سے مختلف عالم، حیات، مادہ وغیرہ نکل رہے ہین، یہ مرکز یا منبع بھی مادی اور جامد شے نہین، کیونکہ اگر اس کو دائمی تغیر و حرکت کے علاوہ کوئی اور شے تسلیم کیا جائے تو برگسان کے اصل مرکزی تصور کے متناقض ہوگا، کہ "دائمی حرکت کے علاوہ کسی چیز کا وجود نہین ہوسکتا" یہ مرکز محض فعلیت اور عمل ہے، جو مختلف اور متخالف سمتون مین بلا انقطاع جاری و سیال ہے، حیات اور مادہ مختلف مرکزون سے متعلق نہین، حرکت اپنے بہاؤ اور مرکز سے متخالف سمت مین زندگی اور حیات ہے، اور خود مرکز اور منبع کی جانب پہلی حرکت سے الٹی سمت مین مادہ ہے،

"حیات جو ایک قسم کا تموج ہے، ایک جرثومہ سے دوسرے جرثومہ مین گذر رہی ہے"، اور "ہر لمحہ کسی نہ کسی شے کو پیدا کر رہی ہے"، زندگی اور حیات کی یہ آفرینش مطلق اور آزاد نہین، اوسکو اپنی

متعاکس حرکت یا مادہ سے مقابلہ کرنا پڑتا ہے، اور مکمل آزاد آفرینش ناممکن ہو جاتی ہے، حیات کا محرک یا باعث حرکت حیات سے خارج نہین، محض آفرینش کی ضرورت اور حیات کا مظاہرہ اسکی حرکت کے باعث ہین،

زندگی کا صدور اور خروج عناصر کے باہم ملنے اور ترکیب پانے یا کسی عنصر کے مزید شامل ہونے سے متعلق نہیں، بلکہ افتراق اور تقسیم سے متعلق ہے، مرکزی فعلیت اور حرکت سے زندگی مختلف اور متخالف سمتون مین تقسیم ہوتی رہتی ہے، اس تقسیم سے حیات کی قوت مین کمی اور ضعف نہیں آتا، بلکہ برابر اضافہ ہوتا رہتا ہے، یہ اضافہ اور قوت کی زیادتی انہی متخالف سمتون کے اعتبار سے ہوتی ہے، حیات کی روانی، اور پھٹ پڑنے والی قوت کا مادہ سے تصادم ہوتا ہے، مادہ پہاڑ کو روکنا چاہتا ہے، یہ تصادم اور مادہ کی مزاحمت زندگی کو مختلف افراد و انواع مین تقسیم کر دیتی ہے، زندگی کو مخصوص قسم کے میلان سے تشبیہ دیجا سکتی ہے، جس کا نشو و نما ایک مجموعہ کی صورت مین ہو رہا ہے، یہ مجموعی نشو و نما منتشر اور متخالف سمتون کی آفرینش کی علت ہے،

کائنات کا کوئی مقصد نہین

کائنات کی نہ کوئی ابتدا ہے نہ کوئی انتہا، نہ تکمیل، اور نہ کوئی مقصد، برگسان مدعی ہے، کہ کائنات محض حرکت اور غیر مختتم تغیر ہے، اگر اسکے پہلے یا بعد اس حرکت کے علاوہ کوئی شے بھی تسلیم کیجائیگی، تو وہ حرکت نہ ہوگی، اور پھر کائنات کو حرکت محضہ اور عملیت صرفہ ماننا کس طرح ممکن ہوگا، لہذا یہ دائمی حرکت کسی علت اور سبب کا نتیجہ نہین، بلکہ خود بخود اور آزاد عمل ہے، جو متواتر پھیلتی اور بڑھتی چلی جا رہی ہے، اوس کو پہلے سے جاننا یا اوسکے نتائج معلوم کر لینا ایک حد تک ناممکن ہے، "زیادہ سے زیادہ ارتقائی حرکت کے مطالعہ سے منتشر سمتون کی کسی خاص تعداد کا انکشاف اور ہر سمت کے ساتھ واقع ہونے والی چیزون کی اہمیت کا اندازہ ہوسکتا ہے"۔

برگسان کے نزدیک کائنات کے اس مرکز کو جو نکلتے رہنے کا تسلسل اور محض عمل و حرکت ہے خدا بھی کہا جاسکتا ہے، مگر اس خدا کو کسی ساختہ و پرداختہ شے سے سروکار نہین، کیونکہ کائنات مین کسی ساختہ و پرداختہ شے کا وجود نہیں، ہر شے بنتے رہنے یا بگڑتے رہنے کا عمل ہے، یہ خدا بلاانقطاع زندگی ہے، عمل ہے، آزادی ہے، آزادی سے برگسان کا مقصود نکلتے رہنے کا شعور ہے،

برگسان کا یہ نظریۂ ارتقا محض نفسیاتی تجربات پر موقوف نہین، اوس نے حیاتیاتی بنیادوں پر اسکو منتہی کیا ہے اور حیاتیاتی اور عضویاتی تجربوں کی بہت بڑی تعداد کو جمع کرکے ثابت کیا ہے کہ مادی ارتقا کا نظریہ خواہ اسکو اتفاقات پر مبنی قرار دیا جائے خواہ ماحول سے مطابقت پر کسی طرح بھی زندگی کی ارتقائی حرکت کی توجیہ نہین کرسکتا،

زمانہ کی تقسیم | برگسان کے نزدیک کائنات مستمر حرکت، اور نہ ختم ہونے والا تغیر ہے، اس کا مخرج اور منبع عمل اور حرکت کا مستمر اور سیال مرکز ہے، برگسان زمانہ اور وقت کو بھی اسی قوت اور عملیت کا ایک رُخ اور پہلو سمجھتا ہے، وہ اسکو حقیقی واقعیت جانتا ہے، برگسان کے نزدیک وقت کے دو تصور ہین، ایک ریاضیاتی، یا طبعیاتی تصور، یہ محض وہمی اور خیالی شے ہے، دوسرا حقیقی، یہ واقعی اور نفس الامری حقیقت ہے،

ریاضیاتی زمان | تغیر، تخلیق اور تاثیر ہی کائنات مین حقیقت ہے، اس کے علاوہ سب خیالی تصویرین، چونکہ ریاضیاتی وقت تاثیر اور تغیر نہین، اس لئے اوس کا حقیقی وجود بھی نہیں، ریاضیاتی وقت مادی اشیاء کی باہمی اضافتون اور اُن کے تعلقات کا نام ہے اور بس، اگر یہ اضافتین، اور تعلقات غیر متناسب طور پر بڑھی ہوئی یا گھٹی ہوئی ہون، تو ہم وقت کا تصور کرسکتے ہین، اور اس کے تقدم اور تاخر کو دریافت کرسکتے ہین، لیکن اگر یہ تعلقات اور اضافتین مخصوص تناسب سے کم یا زیادہ گھٹ بڑھ جائین، تو زمانہ کا کوئی احساس باقی نہ رہے گا، یہ زمانہ مسافت کے وہ نقطے ہین جن متحرک اثنائے حرکت مین گذرتا ہے، اس سے متحرک کی مختلف نقطون پر مختلف وضعیں اور اسی کے

اعتبار سے کائنات اور اوس کے مشمولات کی وضعین سامنے آجاتی ہین، مثلاً متحرک "د" حرکت کر رہا ہے، اب زمانہ کے معنی وہ مختلف وضعین ہین جو اوس کو اور اس متحرک کی اضافت سے دوسری چیزون کو مختلف نقاط پر حاصل ہوتی ہین، اگر متحرک "د" نقطہ "الف" پر ہوگا، تو کائنات یا اوس کی کوئی خاص چیز کہان ہوگی، اور نقطہ "ج" پر ہوگا، تو کہان ہوگی، علیٰ ہذا القیاس، اس قسم کے زمانی تصور سے اشیاء کی معاصرتین تو حاصل ہوسکتی ہین، لیکن جہان تک سیلان اور استمرار کا تعلق ہے، خصوصاً شعور پر اوس کے اثر کا، وہ قطعاً نظرانداز ہوجاتا ہے، کیونکہ ہمارے سامنے سیلان کے محض جامد نقطے ہین، نہ کہ اصل سیلان، توالی یا حرکت، حالانکہ حقیقت اور واقعیت یہ ہے، ریاضیاتی وقت محض صورت ہے، اس کی مدد سے عقل واقعیت کو سمجھنا چاہتی ہے، کیونکہ ہماری عقل اشیاء کو اسی حیثیت مین سمجھ سکتی ہے، کہ وہ زمانہ کے اندر یکے بعد دیگرے آتی رہین،

حقیقی زمان یا استمرار | اس ریاضیاتی اور طبعیاتی وقت کے علاوہ وقت کا ایک دوسرا تصور بھی ہے، برگسان اس کو استمرار کہتا ہے، برگسان کے نزدیک واقعی اور حقیقی وقت یہی ہے، پہلے معلوم ہوچکا ہے، کہ زندہ ہستی کے وجود کے معنی تغیر ہین، اور بس، اہین جس شے کے متعلق کامل یقین ہے، وہ سیلان اور بہاؤ ہے، برگسان اسی سیلان اور بہاؤ کو استمرار کہتا ہے، یہ سیلان لمحات کی یکے بعد دیگرے آمد یا کسی متحرک شے کا خطِ حرکت نہین، جو ریاضیاتی وقت کی شان ہے بلکہ یہ سیلان خود حرکت اور زندگی ہے، جو خود بخود مستمر ہے، "استمرار ماضی کی مسلسل ترقی ہے، جو مستقبل سے ملجاتی ہے، اور جتنی بڑھتی جاتی ہے، اوتنی ہی پھیلتی جاتی ہے"، ریاضیاتی وقت کی طرح یہ غیر موثر ڈھانچ نہیں، بلکہ برگسان کے الفاظ مین "حقیقی استمرار چیزوں کو کترتا ہے، اور ان پر اپنے دانتون کے نشان چھوڑ جاتا ہے"، "یہ استمرار صور و اشکال کی ایجاد و تخلیق اور کسی جدید شے کی مسلسل تکمیل ہے"، خلاصہ یہ ہے کہ حقیقی زمان یا استمرار مسلسل فعلیت ہے،

اس استمرار کے شعور اور وقوف کی کیا صورت ہے، برگسان کہتا ہے کہ ہم خود اس استمرار سے ہی متعلق ہین، اسلئے اگر ہم اپنے نفسی تجربات پر بغور متوجہ ہون، تو ہم استمرار کا بلاواسطہ خود احساس کرسکتے ہین، لیکن یہ توجہ عقلی قسم کی نہ ہونی چاہئے، بلکہ اس توجہ کا تعلق ایک طرح ہماری جبلت سے ہونا چاہئے، اپنے آپ کو صرف جبلت کی مدد سے ہی اس حقیقی بہاؤ مین شامل محسوس کرسکتے ہین، ہماری فطرت کے جبلی رُخ کو اس پہلو کو جس سے ہمین براہ راست اوس استمرار کا شعور ہوجاتا ہے، اور جس مین خود ہمارا اپنا بھی حصہ ہے، برگسان وجدان کہتا ہے، برگسان کے نزدیک حقیقی زمان یا استمرار کے شعور کیلئے وجدانی توجہ کی ضرورت ہے،

شعور اور استمرار برگسان کے نزدیک کائنات اور اسکی تمام بوقلمونیون کی اصل استمرار ہے، جو برابر سیال ہے، اس سیلان اور استمرار کو سمجھنے کے دو طریقے ہوسکتے ہین، پہلا طریقہ یہ ہے کہ اس کے اجزاء کو علحدہ علحدہ توجہ کے ذریعہ سے جُدا کرلیا جائے، اور اس کل کو ان منفرد اجزاء کے مجموعہ کی حیثیت مین سمجھنے کی کوشش کیجائے، یہ طریقہ نظر و فکر کا عام تحلیلی طریقہ ہے، دوسرا طریقہ یہ ہے کہ کل کو بحیثیت کل کے محسوس کیا جائے، اور اجزاء کی فرضی انفرادیت سے جو عقلی توجہ کا نتیجہ ہے، قطع نظر کرلیجائے، اور اس کل کو اسکی وجدانی حیثیت مین محسوس کیا جائے، لیکن جب تک ہم اس کل سے خارج ہوکر دیکھین گے اسوقت تک اس استمرار کی کلی وحدت ہمارے سامنے سے غائب رہے گی، اور ہماری فہم اور احساس کا تعلق اس استمرار اور سیلان کے کسی نہ کسی جامد اور منقطع حصے سے ہی ہوسکے گا، مزید برآن کل مین مجموعۂ اجزاء کے علاوہ ایک مبہم اور داخلی شئے ہوتی ہے، جو بیرونی طور پر کسی طرح نظر نہین آسکتی، وہی شئے عضوی اور غیر عضوی کل مین امتیاز پیدا کرتی ہے، اور جب یہ مبہم شئے ہمارے احساس سے غائب ہوجائے، تو ہم کل کو اسکی کلی حیثیت مین کبھی محسوس نہیں کرسکتے، اس کو محسوس کرنے کیلئے اس کل مین گھسنے کی ضرورت ہے، اور اس طرح اوس کل کے اندر رہکر اوس کو محسوس کیا جائے گا،

یہ طریقہ وجدانی طریقہ ہے،

وجدان وجدان سے برگسان کی مراد ایسی ذہنی ہمدردی ہے، جس کی بدولت انسان اپنے آپ کو کسی شئے کے اندر اسلئے رکھتا ہے، تاکہ اوس شئے مین جو مخصوص اور ناقابل اظہار امر ہے، اوس سے توافق پیدا ہوجائے، وجدان بسیط حرکت ہے، جو زندگی کی سمت مین جاری ہے، یہ جبلت ہے جس مین وسعت اور شعور ذات پیدا ہوگیا ہے، اس لئے وہ ذوات اشیاء کا ادراک اور اسکو محسوس کرسکتا ہے اسلئے وجدانی طریقہ ہی حقیقت تک پہونچنے بلکہ اوس کو محسوس کرنے کے لئے ناگزیر ہے، اس طرح کائنات اپنی گوناگونیون اور کثرت کے باوجود بسیط اور وجدانی طور پر محسوس ہونے لگے گی، جو کل کا خاصہ ہے، اس طرح اس استمرار کی حقیقی وحدت اور حقیقی کثرت جو متضاد معلوم ہوتی ہین، ایک جگہ اپنی ذاتی حیثیت مین محسوس ہونے لگین گی،

عقل و فکر پہلا طریقہ یعنی کسی شئے کا نظر و فکر سے ادراک حقیقی استمرار کو سمجھنے کے لئے ناکافی ہے، کیونکہ عقل کا مصدر بھی اگرچہ وہی ہے، جو وجدان کا مرکز ہے، لیکن ان دونون کی سمت حرکت مین اختلاف ہے، عقل مادہ کی سمت حرکت ہے اسلئے اس کی حرکت جمودی ہے، اور زندگی کی حرکت کے متعاکس جانب ہے، لہذا اس سے محض مادہ کا ہی ادراک کیا جاسکتا ہے، وہ اگر زندگی کو سمجھنے کی کوشش بھی کرے گی، تو اس طرح کہ اوسکی روانی اور سیلان سے منفرد اور جامد نقطے محسوس کرے، جسطرح متحرک تصاویر لینے کا کیمرہ، جو چلتی پھرتی شئے کے محض جامد رخوں کی تصویر لے سکتا ہے، اور اس شئے کی اصل حرکت یا دوسرے لفظون مین اس شئے کی زندگی اسکی گرفت سے نکل چکی ہوتی ہے، چنانچہ کائنات کو جتنا اور جتنی بار بھی ادراک کرنے کی کوشش کیجائیگی، اوتنے ہی مختلف جامد غیر متحرک رُخ سامنے آجائین گے، لیکن ان مین اصل کائنات کوئی بھی نہ ہوگا،

علاوہ ازین کسی شئے کو نظر و فکر کے ذریعہ سے حاصل کرنے کا مفہوم یہ ہوتا ہے، کہ اوس شئے کی ذات

اور خواص مختصہ کو کسی دوسری معلوم صورت مین تبدیل کر لیا جائے، اس عمل سے شے کی حقیقی خصوصیات اور اسکی ذات کا واقعی ادراک غائب ہو جاتا ہے، اور ذات اور اسکی خصوصیات کے غیر حقیقی مشابہات جو پہلے سے معلوم ہوتے ہین، سامنے آجاتے ہین، شے کی حقیقی حیثیت اور اس کا بطن اور مادہ غیر معلوم ہی رہتا ہے، برگسان کے لفظون مین "عمل فکری اوس فعل کا نام ہے، جسکی بدولت کوئی شے، اون عناصر کی شکل اختیار کر لیتی ہے، جو پہلے سے معلوم ہوتے ہین" یعنی وہ عناصر جو اس شے اور دیگر اشیا مین مشترک ہوتے ہین، اسلئے کسی شے کی تحلیل کے یہ معنی ہین کہ اس کا اس طرح اظہار کیا جائے جو اوس کے علاوہ کسی اور شے کا فعل ہے، یون تو ہر تحلیل سے تحلیل شدہ شے علامات کی شکل مین منتقل ہوتی یا نشوونما پاتی ہے"۔

عقل اور عملیت

حقائق کی دنیا جیسا کہ کہا جا چکا ہے مسلسل تغیرات کی دنیا ہے، زندگی کی نہ منقطع ہونیوالی حرکت ہے، برابر جاری اور سیال، اس حقائق کی دنیا کو محسوس کرنے کے لئے ہمین اپنے وجدان کو وسیع کرنے اور شاعر بالذات بنانے کی ضرورت ہوتی ہے، اس طرح ہم جو خود اس زندگی کے بہاؤ کے جز ہین، اوس کو محسوس کر سکتے ہین، یہ واقعیت جس مین نہ کوئی انقطاع ہے، اور نہ الگ الگ حدین ہین عملی زندگی کے لئے بالکل غیر مفید ہے، ہمارے اعمال کے لئے محدودیت اور اشیاء کا سکون لازمی ہے، برگسان کہتا ہے، کہ ہماری اسی ضرورت کو پورا کرنے کے لئے عقل ناگزیر ہے عقل کا کام یہ ہے، کہ اس غیر منقطع اور سیال زندگی یا واقعیت کو اپنی توجہ سے الگ الگ مصنوعی حصون مین تقسیم کر دے اور جامد و ساکن بنا دے، اس سے ہماری عملی زندگی کے لئے مواد مہیا ہو جائے گا، برگسان کے لفظون مین عقل ایک ایسا ملکہ ہے جس سے مصنوعی اشیاء بنائی جاتی ہین، اور جو خود اصل صنعت سے بھی مختلف شے ہے عقل اشیاء کے تعلقات اور اضافات کا ادراک کر سکتی ہے، مگر اصل اشیاء کے ادراک کے لئے وہ بالکل ناکارہ ہے، اشیاء کے حدود اور اون کا جمود حقیقۃً اشیاء کی مصنوعی صورتون اور مشابہات کے

حدود اور ان کا جمود ہے،

علوم عقلیہ مین اختلافات کی وجہ

عقل کی اس خصوصیت کی وجہ عقلی نظامون کی کثرت ہے، جو آپس مین ایک دوسرے سے مختلف بلکہ متناقض ہین، چونکہ وہ حقیقت کی مختلف رخون سے لی ہوئی تصویرین ہین، اس لئے ان مین سے ہر ایک صحیح ہے، یعنی وہ کسی نہ کسی مخصوص زاویہ نظر کی نمایندگی کر رہا ہے، اور اس معنی مین ہر ایک غلط ہے، کہ ان مین سے کوئی بھی حقیقت کا مجموعی اور کلی نمایندہ نہین، برگسان کے لفظون مین "ہم ان کی پے در پے نقطہاے نظر سے تصاویر لیتے ہین، جن کی بدولت ہمین وہ تمام ممکن مشابہتین نظر آتی ہین، جو ان مین اور ان چیزون مین پائی جاتی ہین، جن کے علم کا ہم کو یقین ہے عقل کو جس شے کا چکر لگانا پڑتا ہے، وہ اس کا استیعاب چاہتی ہے لیکن اسکی یہ آرزو کبھی پوری نہین ہوتی، اور وہ اس نہ پوری ہونے والی آرزو کی بنا پر اپنے نقطہاے نظر مین بے شمار اضافے اور اپنی علامات مین غیر منقطع تغیر کرتی رہتی ہے، تاکہ اوسکی ہمیشہ نامکمل رہنے والی تصویر اور سدا کی ناتمام نقل مکمل اور تمام ہو سکے، اوس کا یہ سلسلہ تا ابد جاری رہتا ہے، لیکن وجدان کی یہ حالت نہین، اگر وجدان ممکن ہے، تو وہ ایک بسیط فعل،

برگسانی فلسفہ کے اساسی نقطے اور اسکی شہرت کی وجہ

برگسان کا یہ فلسفہ باوجود غیر معمولی شہرت کے مغرب مین پائدار مقبولیت نہ حاصل کر سکا، مگر اس نے اوس عام ذہنی بغاوت کی اچھی طرح نمایندگی کی جو ڈارون اور اسپنسر کے خالص ماکینی ارتقاء کے خلاف پھیل رہی تھی، اس بغاوت کے تفصیلی اسباب کچھ بھی ہون، یہ واقعہ ہے کہ خالص ماکینی ارتقاء کا نظریہ جو جامد اور بے شعور مادہ کی تبدیلیون اور اس کی تحلیل و ترکیب پر مبنی ہے، کائنات کے نازک اور پیچیدہ نظامون پر حاوی نہین ہو سکتا، اور حالات یا ماحول کے اختلاف سے پوری کائنات کی صحیح توجیہ دشوار ہے، برگسان نے اس ماکینی نظریہ ارتقاء کے مقابلہ مین تخلیقی ارتقاء کا نظریہ پیش کیا ہے، برگسان کے فلسفہ کا

بنیادی پتھر ایک ذی حیات مجہول الکنہ حرکت کا استمراری وجود ہے جس پر اس کے فلسفہ کی پوری عمارت قائم ہے، زمانہ حقیقی واقعیت ہے جس کو استمرار سے تعبیر کیا جا سکتا ہے، اس مین ماضی خود بخود محفوظ ہوتا چلا جاتا ہے، اور وہی مستقبل پر پھیلتا جاتا ہے، مادہ اور روح شعور اور لاشعور یہ اسی حیاتیاتی حرکت کی متخالف سمتین ہین، کائنات بنتی یا بگڑتی ہوئی حرکت اور عمل ہے جو ارتقائی حیات آفرین حرکت کا متحرک نتیجہ ہے، جو پھیلتا چلا جا رہا ہے، نہ وہ کسی سوچے سمجھے ہوئے منصوبے کی تعمیل ہے اور نہ ماحول و حالات کے اختلاف کا منطقی نتیجہ، عقل اور وجدان شعور کی دو متخالف سمتیں ہین، ایک کا صورت سے تعلق ہے، دوسرے کا ذات سے کاروبار مین عقل مفید ہے، لیکن حقیقت اور واقعیت تک پہونچنے کے لئے وجدان ضروری ہے، عقل خود جامد ہے، اس لئے متحرک اعمال کی جامد تصاویر ہی لے سکتی ہے، اوس مین نہ حرکت ہے اور نہ متحرک مجموعیتون کو بسیط طور پر جذب کر لینے کی طاقت،

اقبال کی مابعد الطبیعات کی اجمالی خصوصیت

اقبال کی مابعد الطبیعات اور برگسانی فلسفے مین جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کوئی اصولی فرق نہین، کہین کسی مبہم نقطہ کی تفصیل ہے، اور کہین کسی نقص کی تکمیل، برگسان کے اساسی تصورات پر اقبال نے خالص مذہبی عمارت کو استوار کرنے کی کوشش کی ہے، اس عمارت مین مشہور جرمن فلسفی فشٹے کے "انا" کا تصور بہت اہم ہے، علاوہ ازین اقبال نے اسلامی مابعد الطبیعات کو مسلمان متصوفین اور متکلمین کے زیر اثر برگسانی فلسفے مین جذب کر دیا ہے، اس کے لئے ضروری مابعد الطبیعاتی پہلوؤن کا برگسانی فلسفے کے قالب مین اضافہ کر دیا ہے، اس طرح اسلام کی سادہ اور عملی مابعد الطبیعات تصوری فلسفے کے قالب مین ڈھل گئین، اور اسلامی مابعد الطبیعات خالص فلسفہ ہو کر رہ گیا، نتیجہ یہ ہوا کہ اقبال کو اسلام کے مختلف شعبون کے مستحکم اور قائم نظامون مین ترمیم اور اصلاح کی ضرورت محسوس ہونے لگی،

اقبال کے نزدیک کائنات کا تصور

اقبال کا تصور کائنات برگسان کے تصور سے ماخوذ ہے، اور انہی

دلائل پر مبنی ہے، اقبال کے نزدیک کائنات مکمل اور بنی بنائی شے نہیں، اس کی تعمیر اور بناوٹ اس قسم کی ہے، جس مین برابر پھیلتے رہنے اور بڑھتے رہنے کی اہلیت ہے، اتنا ہی نہیں کہ اس مین محض اہلیت ہی اہلیت ہے، بلکہ واقعہ مین وہ مسلسل بڑھتی اور پھیلتی جا رہی ہے، اقبال کے بقول کائنات جامد، مکمل، غیر متحرک اور ناقابل تغیر نہین، اسکی ہستی کے بطن مین نئی تولید کا خواب پوشیدہ ہے۔

جنبش سے ہے زندگی جہان کی یہ رسم قدیم ہے جہان کی

چونکہ کائنات اور اوس کا ہر ذرہ آگے کی جانب برابر سیال اور متحرک ہے، اس لئے اس مین اعادہ اور تکرار ناممکن ہے، کائنات مین ذوق پیدائی، اور ہر لحظہ ایک نئی حالت اور نئی شان مین اپنے آپ کو ظاہر کرنے کا شوق پنہان ہے،

ٹھہرتے نہیں کاروانِ وجود کہ ہر لحظہ ہے تازہ شانِ وجود

جو تھا نہیں ہے جو ہے نہ ہوگا یہی ہے ایک حرفِ محرمانہ
قریب تر ہے نمود جس کی، اسی کا مشتاق ہے زمانہ

پسند اوس کو تکرار کی خو نہیں کہ تو میں نہیں اور میں تو نہین

ہر چیز ہے محوِ خودنمائی ہر ذرہ شہیدِ کبریائی

ایک صورت پر نہیں رہتا کسی شے کو قرار ذوقِ جدت سے ہے ترکیبِ مزاجِ روزگار

کائنات ایک آزاد اور ذاتی حرکت ہے، جو اشیاء کو پیدا کرتی چلی جا رہی ہے یہی حرکت کائنات کی اصل ہے، کائنات مین حرکت کے علاوہ اور کسی شے کا وجود نہین، لیکن محض حرکت کا تصور جو عرض ہے، بلا کسی مادی محل کے کس طرح ہو سکتا ہے، اقبال کا جواب یہ ہے کہ "شے کا تصور ایک استخراجی اور استنباطی تصور ہے" یعنی ہمین سب سے پہلے حرکت اور تغیر کا تصور ہوتا ہے، اور چونکہ اس حرکت اور تغیر کے لئے ایک مادی محل یا کسی شے کی ضرورت ہوتی ہے، لہذا ہم اشیاء کو اس ضرورت کی بنا پر تسلیم

کرلیتے ہین، چنانچہ یہ حقیقت ہے، کہ ہم اشیاء کا حرکت سے تو استنباط اور استخراج کرسکتے ہین لیکن اگر حرکت کو اصل نہ مانا جائے، بلکہ ساکن اور غیر متحرک اشیاء کو کائنات کی اصل قرار دیا جائے تو پھر ان غیر متحرک اشیاء سے خود حرکت کا استنباط نہین ہو سکتا، حالانکہ حرکت اور تغیر مشاہدہ ہے واقعیت کی، یا دوسرے لفظون مین حقیقی کائنات کی اصل اگر دیمقراطیسی جواہر فردہ کو مانا جائے تو حرکت کا عروض خارج سے تسلیم کرنا پڑے گا، حالانکہ جب کائنات کی مجموعی اصل ان ساکن ذرات کو تسلیم کر لیا گیا ہے، تو پھر کسی خارجی حرکت کا وجود کہان سے آئے گا، لیکن اگر ہم خود نفس حرکت کو اصل فرض کرین، تو جامد چیزون کا اوس سے استنباط کیا جا سکتا ہے، موجودہ طبعیات نے بھی ہر چیز کو حرکت مین تحلیل کر دیا ہے، جدید سائنس مین ذرات کی اصل خود برق ہے، (جو نام ہے محض منفی اور مثبت لرزش کا) نہ کوئی برقائی ہوئی شے" اقبال کے نزدیک بھی کائنات کا ظاہری جمود اور ثبات ہمارے تفکر کی مخصوص ساخت کا نتیجہ ہے، ہمارا تفکر اوس فعلی اور تخلیقی استمرار کو جو واقع مین موجود ہے، جذب نہیں کر سکتا، لہٰذا وہ کائنات کو ٹکڑے ٹکڑے کرکے اور جامد بنا کر ہی اپنی گرفت مین لا سکتا ہے، اور اوس کو اسی حیثیت مین سمجھ سکتا ہے، ورنہ واقع مین کائنات کی حیثیت شے کی نہین ہو، بلکہ ایک فعل کی ہے،

فریب نظر ہے سکون و ثبات　　　تڑپتا ہے ہر ذرہ کائنات

سکون محال ہے قدرت کے کارخانہ مین　　　ثبات ایک تغیر کو ہے زمانہ مین

اقبال کا بارادہ تخلیقی ارتقا یا خلق

کائنات یا واقعیت کی حیثیت روحانی ہے، اسکی اصل ایک حیاتیاتی حرکت ہے، یہ حرکت تخلیقی اور بارادہ ہے، واقعیت مطلقہ یا حیات مطلقہ منفرد، متشخص اور خلاق فعلیت ہے، جس کو اقبال "انا کامل" سے تعبیر کرتے ہین، سطحی نظر سے ایسا معلوم ہوتا ہے، کہ کائنات بنی بنائی چیز ہے، اور اگر اوس کا کوئی بنانے والا ہے، تو وہ اوس کو بنا کر اس سے

غیر متعلق ہو گیا ہے، اور اگر اب اوس خلاق کا وجود ہے بھی تو یہ عالم اوس سے بے نیاز ہے، عالم دو مختلف اور منفرد چیزون یعنی خالق اور مخلوق پر مشتمل ہے، اقبال کے نزدیک کائنات کا یہ تصور خلق کے معنی کی غلط تحلیل پر مبنی ہے، حقیقۃً خلق متواتر فعلیت ہے جو ہمیشہ سے جاری ہے اور جاری رہیگی،

دمادم رواں ہے یم زندگی　　　ہر اک شے سے پیدا رم زندگی،

مخلوق نہ خلق سے علٰحدہ کوئی چیز ہے، اور نہ خالق سے، بلکہ خود خالق بھی اسی فعلیت کا دوسرا نام ہے، یہ فعلیت متشخصہ، غیر متناہی اور نہ ختم ہونے والے امکانات پر مشتمل ہے، جو برابر ارادے اور شعور کے ساتھ پھیلتی اور بڑھتی جا رہی ہے، امکانات جو اس فعلیت مین خفتہ ہین، بسیط فعل کی شکل اختیار کرتے جا رہے ہین، یہ مسلسل فعلیت جن کو ہمارا تفکر منفرد و منقطع افعال مین متشکل کر دیتا ہے ایسے جواہر فردہ پر مشتمل ہے، جن کا نہ حجم ہے اور نہ مکانی یا زمانی وضع، ان کی حیثیت روحانی افعال کی سی ہے، ہمارا تفکر ان کو مکانی اور زمانی بنا دیتا ہے، انہی جواہر فردہ کی ترکیب کا نام عالم محسوسات ہے ان بسیط افعال کا محسوس ہونا موقوف ہے ان کی ترکیب پر حیات مطلقہ یا "انا کامل" کی حرکت ارتقائی ہے جس سے دوسری ذوات یا دوسرے "انا" مسلسل بڑھتے چلے آ رہے ہین، یہ مسلسل اور ارتقائی فعلیت حیات مطلقہ یا "انا کامل" کا مظاہرہ ہے یعنی ان امکانات کا فعلی ظہور جو انا کامل مین خفتہ ہین، ان کا ظہور بعینہٖ اس فعلیت کا اظہار ہے،

وہ اپنے حسن کی مستی سے ہین مجبور پیدائی　　　مری آنکھوں کی بینائی مین ہین اسباب مستوری

نگہ پیدا کر اے غافل تجلی عین فطرت ہے　　　کہ اپنی موج سے بیگانہ رہ سکتا نہیں دریا

یہ مشت خاک، یہ صرصر، یہ وسعت افلاک　　　کرم ہے یا کہ ستم ہے یہ لذت ایجاد

یہ حرکت ارتقائی ہے، اسلئے برابر کائنات ناقص سے کامل اور کامل سے کامل تر ہوتی جا رہی ہے کائنات کی ہر شے کا بطن وہی فعلیت اور حیات مطلقہ ہے، یہی وجہ ہے، کہ ہر شے اپنے آپ کا مظاہرہ کرنا

چاہتی ہی اور کرتی ہے، کیونکہ فعلیت اور حیات اظہار کے علاوہ اور کچھ نہین،

یہ کائنات چھپاتی نہیں ضمیر اپنا، — کہ ذرّہ ذرّہ مین ہے ذوقِ آشکارائی

لذت گیرِ وجود ہر شے، — سرمستِ مئے نمود ہر شے،

تو شاخ سے کیون پھوٹا مین شاخ سے کیون ٹوٹا — اک جذبۂ پیدائی اک لذتِ یکتائی

مادہ اور روح مین اصل جوہر کے اعتبار سے کوئی فرق نہین، ان مین محض کیفی فرق ہی، منبع حیات سے جو افعال یا دوسرے لفظون مین ذوات یا انا پھوٹ رہے ہین، آپس مین کمال و نقص کے اعتبار سے مختلف ہین، ناقص افعال کی ترکیب اور اجتماع مادہ ہے، یہی مادہ اپنے اجزار کی صلاحیت کے اعتبار سے مختلف، کامل اور اکمل انا کا تجلی گاہ یا مظہر بنتا ہے، روح و مادہ کے اختلاف کی یہی وجہ ہے، ناقص اور غیر کامل بسیط افعال کا اجتماعی مرکب مادہ یا جسم ہے، اور نسبتہً کامل فعل روح ہے اور ان دونون فعلون پر اشیا مشتمل ہین،

اسی سے ہوئی ہے بدن کی نمود — کہ شعلہ میں پوشیدہ ہے موجِ دود

اس ارتقائی حرکت کی آخری صورت انسان ہے، ہر انا کسی نہ کسی حد تک اپنی موجودیت کو ظاہر کرتا ہے، لیکن اظہار موجودیت اور ساتھ ساتھ ظہور وجود مین تفاوت ہوتا ہے، جو انا زیادہ کامل ہے، وہ اظہار اور ظہورِ وجود کا دوسری ذوات کے مقابلہ مین زیادہ مستحق ہے، اور اس کے اظہارِ وجود کے مقابلہ میں دوسری ذوات کالعدم ہین، اس لئے انسان دوسری ذوات کے مقابلہ مین زیادہ مستحقِ وجود ہے،

ایک تو ہے کہ حق ہے اس جہان میں — باقی ہے نمودِ سیمیائی

تو زندگی ہے، پایندگی ہے، — باقی ہے جو کچھ سب خاکبازی

اس لئے انسان اس انا مطلق سے زیادہ مشابہ اور اپنی فعلیتون کے اعتبار سے اوس سے زیادہ

قریب ہے، کائنات کے مقابلہ مین انسان مین حیاتِ مطلقہ یا فعلیت مطلقہ کا ظہور سب سے زیادہ ہی، لہذا کائنات پر اوسکو تفوق اور اقتدار حاصل ہی اور یہ کائنات مین خلیفۃ اللہ ہے،

فطرت نے تجھے بخشے ہین جوہرِ ملکوتی — خاکی ہوں مگر خاک سے رکھتا نہیں پیوند

تیرے مقام کو انجم شناس کیا جانے — کہ خاک زندہ ہے تو تابعِ ستارہ نہین

نہ تو زمیں کے لئے ہے نہ آسمان کیلئے — جہان ہے تیرے لئے تو نہین جہان کیلئے

یہ فعلیت درجۂ ارتقار مین ہے، اور ارتقار کے مدارج کی کوئی انتہا نہیں اسلئے انسان کی مزید ترقی کس حد تک ہو سکتی ہے، اس کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا،

ہر ایک مقام سے آگے مقام ہے تیرا — حیات ذوقِ سفر کے سوا کچھ اور نہین

خردمندون سے کیا پوچھوں کہ میری ابتدا کیا ہے — کہ میں اس فکر میں رہتا ہوں میری انتہا کیا ہے

حیراں ہے بو علی کہ میں آیا کہاں سے ہون — رومی یہ پوچھتا ہے کہ جاؤن کدھر کو مین

(باقی)

ابن رشد

مشہور مسلمان اندلسی حکیم جو مسلمانوں مین ارسطو کے فلسفہ کا بہترین شارح سمجھا جاتا ہے، اور جس کی تصنیفات مدتون تک یورپ کی یونیورسٹیوں مین پڑھائی جاتی تھیں اس کے سوانح اور فلسفہ پر تبصرہ اور اسی ضمن مین مسلمانون کے علم کلام و فلسفہ پر بھی ریویو اور یورپ میں اسلامی علوم کی اشاعت کی تاریخ اور فلسفہ جدیدہ و قدیمہ کا موازنہ بھی آگیا ہے، ابن رشد کے متعلق اتنا بڑا ذخیرہ معلومات کسی مشرقی زبان مین کیا کسی مغربی زبان مین بھی نہیں مل سکتا، ضخامت ۳۸۹ صفحے قیمت سے ر

مینیجر

فارسی پر اردو کا اثر[1]

از

جناب غلام مصطفےٰ خان صاحب ایم اے، ایل ایل بی (علیگ) اسسٹنٹ لکچرر کنگ ایڈورڈ کالج امراوتی برار

زبان کی اہمیت زبان دراصل کسی خاص مذہب یا فرقہ سے تعلق نہین رکھتی، بلکہ اس کا تعلق کسی ملک سے ہوتا ہے، عربی اور فارسی ہی کو دیکھئے، عربی محض مسلمانون کی زبان نہین بلکہ عرب کے ہر باشندے کی زبان ہے خواہ وہ مسلمان ہو، خواہ یہودی، خواہ عیسائی ہو، خواہ کسی اور مذہب سے تعلق رکھتا ہو، اسی طرح فارسی بھی محض مسلمانون کی زبان نہین، بلکہ ہر ایرانی کی مادری زبان ہے، خواہ وہ کسی فرقہ کا فرد ہو لیکن ہندوستان مین الٹی گنگا بہائی جارہی ہے، اور یہان یہی کہلایا جارہا ہے، کہ اردو صرف مسلمانون کی زبان ہے، میری سمجھ مین نہیں آتا، کہ آخر زبان کے مسئلہ میں کونسی عقلمندی کے اظہار کے لئے ایسا روڑا اٹکایا جارہا ہے، اور مذہب وسیاست کی پخ کیون لگائی جارہی ہے، ؟ مولانا عبد الحق صاحب نے ایک تقریر کے دوران مین (ہماری زبان، یکم ستمبر ۳۹ء صفحہ ۱۳) ایک بہت معنی خیز واقعہ بیان کیا، کہ توریت مین لکھا ہے کہ جب انسان کا تمدن بڑھا، تو انسان کو آسمان فتح کرنے کا خیال بھی ہوا، اور اس کام

---

[1] میرے بزرگ استاذ حضرت احسن مارہروی مرحوم نے اس مضمون کے لکھنے کو مجھ سے فرمایا تھا، لیکن افسوس کہ وہ اسے ملاحظہ نہ فرما سکے، اور اصل مسودہ بھی گم ہوگیا، پھر مخدومی قبلہ نواب صدر یار جنگ علامہ حبیب الرحمن خان صاحب شروانی دامت برکاتہ کی ہمت افزائی پر مین نے یہ مضمون دوبارہ لکھ کر آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس پونا مین ابھی ۲۹ دسمبر کو پڑھا،

کے لئے اس نے ایک بڑا مینار آسمان پر جانے کے لئے بنایا، لیکن خدا نے ان مینار بنانے والوں کی بولیان مختلف کر دین، جس سے یہ لوگ منتشر ہوگئے" چنانچہ اب یہی انتشار اور لعنت ہندوستانیوں کے نصیب مین آئی ہے، جو زبان کے معاملے مین بھی اپنے اور پرائے کی رٹ لگانے لگے ہین، حالانکہ اگر بغور دیکھا جائے، تو معلوم ہوگا، کہ زبان اپنی فطرت مین غیر کی محتاج ہے، زبان کے لئے ایک بولنے والا اور ایک سننے والا یعنی غیر بھی چاہئے، ورنہ وہ اس پاگل کی بڑ سے زیادہ وقعت نہین رکھے گی جو خود ہی بولتا ہے اور خود ہی سنتا ہے اور اُسے غیر کی ضرورت نہیں ہوتی، بس یہی جنون اب اُن لوگون پر سوار ہے، جو آنکھ بند کرکے اپنی سیاسی "قابلیت" کا اظہار زبان کے مسئلے مین کرتے ہین، اور ملک کو دو ہزار سال پہلے کے تاریک زمانے مین ڈھکیل دینا چاہتے ہین،

عربی پر فارسی کا اثر حقیقت یہ ہے کہ جو شخص جہان بس گیا، اور جو زبان سیکھ لی بس وہی اُس کی زبان ہے، یہ اور بات ہے، کہ زمان ومکان کے بدل جانے سے اسکی زبان مین فرق پیدا ہوجاتا ہے، اور یہ ہر چیز کی فطرت کا تقاضا بھی ہے، چنانچہ کوئی زندہ زبان ایسی نہیں جو ہمیشہ سے ایک ہی طرز پر قائم ہو اور تبدیل نہ ہوئی ہو، کیونکہ انسان ہمیشہ ایک جگہ سے دوسری جگہ کو منتقل ہوتا رہتا ہے، جس سے اس کی زبان کھچڑی ہوتی جاتی ہے، ہماری یہی "کھچڑی" زبان اللہ پاک کو بھی پسند ہے، چنانچہ اسکی مقدس کتاب یعنی قرآن مجید مین بھی غیر عربی الفاظ پائے جاتے ہین، انہین فارسی کے بھی ہین، مثلاً سورۃ فیل مین لفظ "سجیل" ہے جو مفسرین کے نزدیک "سنگ وگل" کا معرب ہے، اسی طرح قرآنی الفاظ "سُندُس" اور "اِستبرق" کو "استبرہ" اور "سرادق" کو "سراپردہ" کا معرب بتایا گیا ہے، لفظ "فردوس" کو بھی فارسی[1] لفظ کہا گیا ہے، ان کے علاوہ اور بہت سے فارسی الفاظ معرب ہوئے، مثلاً "عوض" کے مقابلہ مین جو "جوہر" ہے وہ فارسی لفظ "گوہر" سے معرب ہے، اسی طرح "استاد" سے "استاذ"، "گریبان" سے "جربان" وغیرہ الفاظ

---

[1] معارف علامہ سیوطی نے غیر عربی قرآنی الفاظ پر ایک مستقل رسالہ لکھا ہے،

عربی میں آئے، علامہ سید سلیمان صاحب ندوی کی کتاب "عرب و ہند کے تعلقات" سے معلوم ہوتا ہے
کہ ہمارے ہندوستانی الفاظ "مشک" "زنجبیل" اور "کافور" بھی قرآن پاک میں جگہ پائے ہوئے ہیں، نیز بقول
صاحب رشیدی، لفظ طلا بھی ہندوستانی لفظ "تلہ" کا معرب ہے، جو پھر مطلا ہوا، اسی طرح "کھانڈ" یا "کھنڈ"
ایران جاکر "کند" ہوا، اور عربی میں "قند" اور پھر "قناد" (حلوائی) وغیرہ بن گیا، تذکرہ دولت شاہ کے دیباچہ
میں ہے، کہ رباعی ایران کی ایجاد ہے، اور اسے پہلے دوبیتی کہتے تھے، اسی لئے عرب میں بھی یہ "دوبیتی"
کہلائی، حالانکہ بعد میں ایران نے اسے "رباعی" نام دیا، خان آرزو نے چراغ ہدایت میں لکھا ہے کہ
"مدینہ" بھی عربی لفظ نہیں بلکہ ژند و پاژند کی زبان ہے، جس میں "مدینا" مستعمل ہے، اور اب اختصار
کے لئے "مدینیدم" کے معنی "زیارت مدینہ کردم" لئے جاتے ہیں، ان مثالوں سے یہ بتانا مقصود تھا، کہ
عرب بھی عجم یعنی "گونگے" ملکوں کا محتاج ہوا،

فارسی پر عربی کا اثر

اب دوسرا رخ دیکھیے کہ عربی نے فارسی پر کیا اثر کیا؟ مقامات حمیدی،
تاریخ وصاف، ظفرنامۂ تیموری، تاریخ عالم آرائے عباسی، اور دُرّۂ نادرہ جیسی "عربی نواز" کتابوں
کے علاوہ یوں بھی اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا، کہ شاہنامہ اور نامۂ خسروان کے مصنفوں جیسے لوگ
لاکھ کوشش کریں، پھر بھی بغیر عربی کی مدد کے کچھ نہیں لکھ سکتے، عربی الفاظ کی اس کثرت کے
ذمہ دار کچھ تو عرب فاتح ہیں، لیکن زیادہ تر ایرانی ہی ہیں، جو خود عربی کے مایۂ ناز فاضل اور ادیب
ہوئے، چنانچہ حیرت ہوتی ہے، کہ بعض فارسی شعراء نے جان بوجھ کر فارسی الفاظ میں عربی رنگ
چڑھایا، مثلاً سنائی (المتوفی ۵۲۵ھ / ۱۱۵۰ء) نے "پلید" کے بجائے "پلیذ" اور "سود" کے بجائے "سوذ"
لکھا ہے[۱]:-

گر نویسم ترا یکے تعویذ، پاک دار اے جوان مدار پلیذ[۲]

[۱] معارف:- یہ عربی کے بجائے قدیم فارسی کی تقلید ہے۔ [۲] حدیقہ، طبع لکھنؤ ص ۱۶۱،

توشوی روز حشر از ان ماخوذ وان زمان حسرتت ندارد سوذ[۱]

اسی عربی رنگ نے "نازک" سے "نزاکت" لفظ بنایا، "روغن" سے "مروغن"، "لباب" سے "ملبب"، "ریش
تراشیدن" سے "مترش" جیسے ابو نصر نصیرائے بدخشانی کا شعر ہے:-

نز و مسلمان نبود شایان بہر امامت مرد مترش

پھر "شدر" سے "مشدر" بنایا گیا، جسے شاید مجیر بیلقانی (۵۹۴ھ / ۱۱۹۷ء) نے سب سے پہلے استعمال کیا:-

کم زنان نرد دغا باختن آغاز کنند مہرۂ خصم براو مید مشدر گیرند[۲]

اسی طرح "زلف" سے "مزلف" بنایا گیا، ممکن ہے، کہ کوئی صاحب اسے عربی لفظ سمجھیں لیکن آرزو
نے اسے فارسی ہی سمجھا ہے، اور محمد اسحاق شوکت کا شعر پیش کیا ہے:-

مزلف است رخ خامہ ام زنجبیل سیاہ سواد شام فراقم خط لب جام است[۳]

پھر بعض فارسی مصادر بھی عربی لفظوں سے تراشے گئے، مثلاً طلبیدن، فہمیدن، رقصیدن، بلعیدن،
غارتیدن، طلوعیدن، تمیزیدن وغیرہ، محمد ابراہیم سالک قزوینی (عہد شاہجہانی) کا شعر ہے:-

سالک بفروشند بما بادۂ صافی کز ذائقۂ محتسب ما نہ تمیزد

پھر بعض فارسی الفاظ کی جمع عربی طریقے سے بنائی گئی، مثلاً فرمان سے فرامین، خان سے خوانین،
باجی سے بواج، نبیرہ سے نبائر، بستان سے بساتین جیسا کہ خاقانی نے بھی لکھا ہے:-

بساتین کہ ضائع شود در بساتین کز انجیر خواران غرابے نہ بیند[۴]

"رند" سے "رنود" جو غالباً نجم الدین راوندی (۵۹۹ھ / ۱۲۰۲ء) نے سب سے پہلے استعمال کیا ہے:- "آن
خوردنی رنود بغارت بردند" (راحت الصدور صفحہ ۳۸۶) پھر یہ لفظ تاریخ جہانگشا اور جامع التواریخ وغیرہ
میں بھی ہے، اور عربی لفظ "کرایہ" سے اسم فاعل "کرائیدہ" بنایا، (چراغ ہدایت)

[۱] حدیقہ، طبع لکھنؤ، صفحہ ۶۲۹ [۲] راحت الصدور صفحہ ۳۱۴ [۳] چراغ ہدایت [۴] کلیات جلد اول ص ۹۲۹،

"شفقت" کہ جس کے معنی خوف تھے، فارسی میں غمخواری کے معنی لئے گئے، اس میں قاف مشدد بھی رائج ہے، مثلاً واعظ قزوینی کا شعر ہے :-

سر بلندے آرزو داری شفقت پیشہ کن — کین علم را ریزش باران احسان پرچم است[1]

غرض ایسی مثالیں تو بہ کثرت ملتی ہیں، لیکن ان کے پیش کرنے کا مقصد یہی ہے کہ جب دو شخص مختلف ملک و زبان والے آپس میں ملتے ہیں، تو ان میں سے ہر ایک کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ دوسرے کے الفاظ حتی الامکان استعمال کئے جائیں تاکہ دوسرا شخص اسکی بات کو آسانی سے سمجھ سکے، پس زبان کے بننے اور وسیع ہونے کی اصل وجہ یہی ہے، اور یہی ایک ایسی چیز ہے جہاں کسی قسم کی تنگ نظری کار گر نہیں ہوسکتی، اور نہ کسی سمجھدار شخص کو یہ تنگ نظری پسند ہوسکتی ہے،

توافق لسانین :- ہمیں اس مضمون میں یہی بتانا ہے کہ ہماری زبان نے کیسے کیسے فراخ دل لوگ شروع ہی سے پائے، جنھوں نے اپنی مایۂ ناز زبان فارسی میں اور ادبی شہ پاروں میں ہماری "گھر بھاکھا" کو جگہ دی، اور یہ محکوم و مذموم چیز اپنے حاکم پر غالب آگئی، یا یوں کہہ لیجئے کہ ایرانی ماں کی دو بیٹیاں (یعنی فارسی اور سنسکرت) جب دو مختلف ملکوں میں بیاہی گئیں، تو حالات و مقامات کے بدل جانے سے ان کا رنگ روپ بھی بدل گیا، لیکن انکی پچھلی نسلوں میں پھر رشتہ قائم ہوا، اور جو اولاد پیدا ہوئی وہی دراصل اردو ہے، پھر اس اولاد کی وراثت اور ملکیت کو اُسکی اصلیت پر قائم رکھنے اور پہچاننے کی غرض سے جو اصول بنائے گئے ہیں، ان کا تعلق "لسانیات" سے ہے، اس علم کے ذریعہ ہم اپنی زبان کے بھولے بچھڑے الفاظ کی شکل و صورت پہچان سکتے ہیں، مثلاً ہماری زبان میں سب سے زیادہ عام فعل "ہے" یعنی "ہست" ہے یہ فارسی میں بھی آیا ہے، اور مولانا مختار احمد صاحب نے یہ اشعار ثبوت کے لئے دیے ہیں :-

---

[1] چراغ ہدایت

حافظ رحؒ :-

ساقی اگرت ہوائے ما ہے — جز بادہ میار درمیان شے

حکیم سوزنی :-

ہیم بہ پلۂ نیکی زیک سپندان کم — بہ پلۂ بدی اندر ہزار سندانم

مولانا روم رحؒ :-

گفت یا رب مر ترا خاصان ہیند — کہ مبارک دعوت و فرخ پَیَند[1]

اسی طرح لفظ "ایدھر" جو میر اور سودا کے عہد تک تھا، فردوسی (شعر العجم جلد اول) سے لیکر بعد کے متقدمین کے یہاں بھی ہے، مثلاً سید حسن غزنوی (المتوفی ۵۶۵ھ ۱۱۶۹ء) کہتے ہیں :-

ناوردہ بہ شہر چو من در ہزار سال — اینک تو ایدری فلکا و من ایدرم

یا مجیر بیلقانی (المتوفی ۵۹۴ھ ۱۱۹۷ء) کہتا ہے :-

غافل نیم ز عالم جان در بسیط خاک — مانند آفتاب ہمان جا ہم ایدرم

اس "ہے" اور "ایدر" کی طرح بعض مرکب الفاظ بھی دونوں زبانوں میں ہو بہو اپنی اصل شکل میں قائم ہیں، مثلاً "دشنام"، "دشمن"، "شگون" وغیرہ، لیکن شلنگ اور چھلانگ، چر اور چھر، جاروب اور جھاڑو، بہمن اور بھاگن، کاہ اور گھاس میں جو توافق لسانین پایا جاتا ہے، وہ دراصل آب و ہوا اور غذا کے اختلاف کو ظاہر کر رہا ہے، ورنہ فطرت اور اصلیت دونوں کی ایک ہی ہے، اسی سلسلے میں ایک بات اور عرض ہے، کہ علم تجوید کے جاننے سے "لسانیات" میں کوئی الجھن باقی نہیں رہتی کیونکہ موخر الذکر میں حروف کا رد و بدل سوائے چند مستثنیات کے بالکل ایسا ہی ہے، جیسا کہ ادغام متجانسین اور ادغام متقاربین میں پایا جاتا ہے، بہرحال لسانیات کے متعلق اس معترضہ بحث کا مقصد صرف یہ ہے

---

[1] قاموس الاغلاط صفحہ ۱۴۲،

کہ ہماری زبان جو بالخصوص فارسی اور سنسکرت کا صدقہ ہے، اتنی صلاحیت رکھتی ہے، کہ ان مین گھل
مل جائے، اور اسی صلاحیت نے دراصل اس کا ڈھانچہ تیار کیا ہے، جس کو ہم بلا مبالغہ اور بلا شک
وشبہہ کم از کم پانچوین صدی ہجری سے ضرور پاتے ہین،

ہم نے اپنی آسانی کے لئے اس کے مختلف دور قائم کئے ہین، جو حسب ذیل ہین:-

پہلا دور، پانچوین اور چھٹی صدی ہجری (یعنی گیارھوین اور بارھوین صدی عیسوی)

اس مین شک نہین کہ علامہ سید سلیمان ندوی اور قبلہ نواب شروانی صاحب وغیرہ نے اپنے
مقالات مین بہت سے ثبوت پیش کئے ہین، اور ہماری زبان کے وہ الفاظ بھی بتائے ہین، جو پانچوین
صدی کے بہت پہلے عربی یا دیگر زبانون مین شامل ہو چکے تھے، لیکن ان کا تعلق فارسی سے نہ تھا،

ہم یہان یہ بتانا چاہتے ہین، کہ ہماری زبان نے فارسی پر کس طرح بتدریج غلبہ حاصل کیا، چنانچہ
اس غلبہ کی ابتدا ہمین پانچوین صدی ہجری سے معلوم ہوتی ہے، جب کہ محمود غزنوی (المتوفی
۴۲۱ھ/۱۰۳۰ء) نے ہندوستان پر متواتر حملے شروع کئے، اور اپنی فتوحات سے ہندی لونڈی غلام اس
حد تک حاصل کئے، کہ غزنین کے ہر گھر مین ان کی فراوانی ہوگئی، ان کے علاوہ غزنوی فوجون
مین ہندوستانی بھی بہت تھے، اور یہ سلسلہ آخر عہد تک قائم رہا، چنانچہ محمود غزنوی کے پر پوتے
سلطان بہرام شاہ غزنوی (المتوفی ۵۴۷ھ/۱۱۵۲ء) نے جب جمعہ ۲ محرم ۵۴۴ھ (مطابق ۱۳ مئی ۱۱۴۹ء)
کو سیف الدین سوری کو شکست دی، تو اس کے درباری شاعر سید حسن غزنوی (المتوفی ۵۶۵ھ/۱۱۶۹ء)
نے ایک قصیدہ لکھا، جس کا ایک شعر یہ ہے:-

بگرد شاہ فوج فوج لشکر ہای ہندستان — کہ گوئی ذرہ بر خورشید بر جوشید از خاور

اس کے علاوہ سلطان محمود کے دربار مین ہندی کا مترجم تلک نام ایک ہندو تھا..... سلطان مسعود
کے زمانہ مین جو ۴۲۱ھ/۱۰۳۰ء مین تخت پر بیٹھا تھا، اس عہدے پر ایک ہندو بیربل نام سرفراز تھا سلطان محمود

کے دربار مین جہان عرب و عجم کے ادبا رہتے تھے، فضلائے ہند بھی ان کے پہلو بہ پہلو تھے، کالنجر
کے راجہ نندا نے ۴۱۳ھ/۱۰۲۲ء مین ہندی زبان مین بادشاہ کے لئے مدحیہ شعر لکھے........" (ملاحظہ ہو
نقوش سلیمانی ص ۳۵)

ظاہر ہے کہ جب اہل ولایت کے یہان ہندی غلامون اور کنیزون کی فراوانی ہوئی، اور ان
کے علاوہ دربار مین بھی ہندوستانی برسر اقتدار ہوئے، تو ضرور ان کے رہنے سہنے اور ملنے جلنے سے
ایک مخلوط زبان پیدا ہوئی ہوگی، اور کم از کم اس سے تو انکار نہین کہ اس اختلاط سے ولایت کی زبان
مین ہمارے ہندوستانی الفاظ داخل ہونا شروع ہوئے، جو یقیناً فارسی پر اپنا قبضہ جما رہے ہین،
چنانچہ لفظ کوتوال جو دراصل کوٹ والا (یعنی مالک قلعہ) تھا، بقول پروفیسر شیرانی، فردوسی کے
یہان پایا جاتا ہے:-

چو آگاہ شد کوتوال حصار — بر آویخت بار ستم نابدار[1]

یہی لفظ تاریخ بیہقی مین بھی متعدد مقامات پر پایا جاتا ہے، مثلاً

"..... بو علی کوتوال و دیگر اعیان و مقدمان بنشستہ بودند طاعت و بندگی نمودہ و
بو علی کوتوال بگفتہ کہ از برادرِ ما آن شغل بر نیاید،....." (تاریخ بیہقی مطبوعہ طہران ص ۲۴)
صفحہ ،، پر بھی ہے:- "..... واز غزنین نامہ کوتوال بو علی رسید"،

پھر راحت الصدور مین بھی پایا جاتا ہے،

منوچہری (المتوفی ۴۳۲ھ/۱۰۴۰ء) کے یہان لفظ لنگھن پایا جاتا ہے:-

الا تا مومنان دارند روزہ — الا تا ہندوان گیرند لنگھن،

یہی لفظ سنائی رح (المتوفی ۵۴۵ھ/۱۱۵۰ء) کے یہان بھی ہے:-

---

[1] پنجاب مین اردو ص ۲۹

گرمی لنگهت کند فربه ۔۔۔ سیر خوردن تراز لنگهن به[1]

علامہ سید سلیمان ندوی نے نقوش سلیمانی ص ۴۸ مین لکھا ہے، کہ یہی شعر فوائد الفواد ص ۴۶ مین حضرت نظام الدین اولیاء بدایونی ثم الدہلوی سے بھی منسوب ہے،

منوچہری کے یہان "چندن" پایا جاتا ہے :-

عنان بر گردن سرخش فگنده ۔۔۔ چو دو مار سیہ بر شاخ چندن

پھر یہ لفظ بہت سے شعرائے متقدمین کے یہان ہے، مثلاً سید حسن غزنوی (المتوفی ۵۶۵ھ ۱۱۶۹ء) لکھتے ہین :-

در دہ سرم مباد کہ بر بادم طلی ۔۔۔ باید زمہ گلاب ز خورشید چندنم

زہر تن فضل راست تریاک ۔۔۔ در دہ سر آز راست چندن

سنائی کے یہان "چندن" اور "صندل" دونون پائے جاتے ہین،

بر تو رہ رفتن است جان کندن ۔۔۔ تا شود بید چوب تو چندن[2]

مار اگرچہ بخاصیت بدخواست ۔۔۔ پاسبان درخت صندل اوست[3]

سنائی کے یہان اور کئی لفظ پائے جاتے ہین، مثلاً "شارہ" جو غالباً ہندوستان مین ساری ہے،

خارہ در تف او چو خار سبک ۔۔۔ شورہ بر سنگ او چو شارہ تنک[4]

لیکن فردوسی کے یہان عمامہ کے معنی مین ہے :-

ز گفتار او ماند شکل شگفت ۔۔۔ ز سر شارۂ ہندوی برگرفت

ہمارے یہان کی "لاکھ" بھی ان کے کلام مین ہے :-

[1] حدیقۂ لکھنؤ ص ۵۰۰ [2] ص ۴۹ [3] ص ۴۲۸ [4] ص ۵۶۱،

زین سپس عکس خون ز کرۂ خاک ۔۔۔ آسمان را کند بسرخی لاک[1]

"بیلک" جو بقول صاحب شرف نامہ، ہندوستانی دو شاخہ تیر ہے، وہ بھی سنائی استعمال کرتے ہین :-

خنجرش ہست روے ملک افروز ۔۔۔ بیلکش رائے سوز و ایک دوز[2]

ابو الفرج رونی (المتوفی ۴۸۴ھ ۱۰۹۱ء) کے یہان بھی ہے :-

چرخ گردندۂ شہاب انداز ۔۔۔ کاندر آورد بیلک اندازی[3]

رونی کے یہان (فرخی کی طرح) "شل" یعنی سیل ہندی بھی پایا جاتا ہے :-

نکند کار تیر آیا زی ۔۔۔ شل ہندی و نیزۂ تازی[4]

اور ایک جگہ ہے :-

شل او بر کتف گرگ نشست ۔۔۔ جو ہر گرگ فرو ماند ز کار[5]

"ہیلاج" جو بقول صاحب شرف نامہ ہندوستانی لفظ ہے، سنائی کے یہان ہے :-

نسبت کدخدائی و ہیلاج ۔۔۔ کہ منجم بود بدو محتاج[6]

پھر یہ لفظ عام طور پر فارسی مین مستعمل ہونے لگا، چنانچہ خاقانی (المتوفی ۵۹۳ھ ۱۱۹۶ء) بھی لکھ گئے ہین :-

تسییر براندند و براہین بفروزند ۔۔۔ ہیلاج نمودند کہ جاوید بقائی[7]

سنائی کے یہان لفظ "پانی" دو جگہ پایا جاتا ہے، ایک شعر پروفیسر شیرانی نے "پنجاب مین اردو" صفحہ ۳۶ پر نقل کیا ہے، اور دوسرا علامہ سلیمان ندوی نے نقوش سلیمانی صفحہ ۳۶ مین علامہ موصوف

[1] حدیقۂ لکھنؤ صفحہ ۶۲۵ [2] ص ۶۵۵ [3] دیوان ص ۱۱۶ [4] دیوان ابو الفرج ص ۱۱۶ [5] دیوان ص ۴۵ [6] حدیقۂ لکھنؤ ص ۸۱۲ [7] کلیات جلد اول ص ۲۴۳،

نے یہ بھی لکھا ہے، کہ "تید و جوستانی کے یہان ہے فارسی لغات میں ضرور پایا جاتا ہے لیکن شاید ہندوستانی ہی لفظ ہے، بہرحال اس کا تعلق "خلال مانده" سے بھی ضرور معلوم ہوتا ہے جو عید کی سویّوں کے لئے مستعمل ہے" (غیاث اللغات ص ۱۹۳)

سنائی کا نام لینے سے ایک بات اور یاد آئی، وہ یہ کہ غالباً وہی پہلے شخص ہین، جنھون نے لفظ "چک"[51] استعمال کیا ہے:-

در تو نادری خود آور دبے شک ‌ ‌ ‌ بنویسند بے حضورِ تو چک[52]

پروفیسر شیرانی نے مسعود سعد سلمان (المتوفی ۵۱۵ھ/۱۱۲۱ء) اور ان کے ہم عصر عثمان مختاری کے یہان بھی ایک دو لفظ ڈھونڈ نکالے ہین، ان کے علاوہ فرخی (المتوفی ۴۲۹ھ/۱۰۳۷ء) کے یہان لفظ "کت" پایا جاتا ہے، جو یقیناً کھاٹ (Cot) کی بگڑی ہوئی لیکن بہترین شکل ہے:-

خلافت چد اگر د جیا پلیان را ‌ ‌ ‌ زکت ہاے زرین و شاہانہ زیور

یہی لفظ مسعود سعد سلمان کے یہان ہے:-

براین تیغ کوہ گل انبار گوئی ‌ ‌ ‌ چو فغفور بر تختم دفور برکت[53]

ازرقی (المتوفی ۵۸۵ھ/۱۱۸۹ء) کے یہان "کرتہ" پایا جاتا ہے، جو فرہنگِ آنندراج (جلد دوم ص ۱۰۵) کے قول کے مطابق ماوراء النہر کی فارسی ہو تو ہو[54] لیکن ہماری زبان کا لفظ ضرور ہے:-

از سیم خام برگ برآورده یاسمین ‌ ‌ ‌ با زر پختہ کرتہ بدل کرد اقحوان[55]

حکیم قطران بن منصور اجلی (ہمعصرِ وطواط و انوری) کے یہان "جندال" ہے جو یقیناً "چنڈال" کا مفرس ہے:-

---

[51] معارف فارسی ہے اس سے عربی میں سک بنا ہوا اور کتب فقہ مین مستعمل ہے [52] حدیقہ لکھنؤ ص ۸۳، [53] دیوان مطبوعہ طہران ص ۵۵ [54] معارف کرتہ فارسی ہے، اسی سے عباسیوں کے زمانہ مین عربی میں قرطق اور اس سے مقرطق بنا ہے [55] مونس الاحرار قلمی ص ۶۱۲ حبیب گنج،

در شب باد آورد جندال ہند از کین تو ‌ ‌ ‌ باز نشناسد بروز از قامت جندال دال[56]

ہندوستانی حاکمون کے لئے فارسی مین لفظ "رائے" بہت مستعمل ہے، لیکن انہی متقدمین مین انوری (المتوفی ۵۸۵ھ/۱۱۸۹ء) کے یہان لفظ راجا (راجہ) بھی پایا جاتا ہے:-

تا عشقِ تو در سینہ مکان کرد کراجا؟ ‌ ‌ ‌ کس دید در آفاق بہ یک شہر دو راجا؟

پھر ایک اور ہندوستانی بلکہ سنسکرت لفظ "منده" یعنی "گھوڑا" انوری نے استعمال کیا ہے:-

دارند مبغطِ ترکی و ہندی ‌ ‌ ‌ از جود و مکارمت آت و منده[57]

یہان تک تو پانچوین اور چھٹی صدی ہجری کے شعراء کے کلام مین اپنے ہندوستانی الفاظ تبائے گئے، اب ہم اس اثر کے دوسرے دور مین داخل ہوتے ہین جب کہ غزنوی عہد ختم ہو کر غوریون کا زمانہ شروع ہوتا ہے، ہم اس دور کو صرف ساتوین صدی ہجری تک محدود کرتے ہین تاکہ پہلے دور کی طرح یہ دور بھی ایک خاص سیاسی اور تاریخی اثر کو ظاہر کر سکے،

دوسرا دور، ساتوین صدی ہجری (یعنی تیرہوین صدی عیسوی):-

غوریون نے اس ساتوین صدی ہجری کے شروع ہوتے ہی بہت جلد لاہور اور ملتان سے آگے بڑھکر گجرات اور بنگال تک اپنے گھوڑے دوڑا دیے، اُن کے اس میل جول سے جیسا کہ طبقات ناصری (ص ۱۵۲، طبع کلکتہ) سے ظاہر ہوتا ہے، پنجاب سے لیکر بنگال تک ایک ہی قسم کی بول چال عوام کی زبان سے نکلتی تھی، قطب الدین ایبک جو ۶۰۳ھ/۱۲۰۶ء مین دہلی کا سب سے پہلا بادشاہ ہوا وہ بقول فرشتہ (نقوش سلیمانی ص ۳۷) "لک بخش" یعنی لاکھوں کا دینے والا کے خطاب سے مشہور ہوا، اور اس کے زمانہ کو کال قطب الدینی کہا گیا، یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ اس بادشاہ کے نام کے ساتھ سکون مین "شری امیر" لکھا ہوا تھا،

---

[56] مونس الاحرار قلمی ص ۱۰۱۶ حبیب گنج [57] کلیات انوری، لکھنؤ ص ۳۲۶،

پھر اسی صدی کی دو فارسی تاریخون مین ہمارے ہندوستانی الفاظ بکثرت پائے جاتے ہین، یہ تاریخین ضیاء الدین برنی اور سراج عفیف کی ہین، جو چھٹی صدی کے آخر اور ساتوین صدی کے اوائل مین لکھی گئین، علامہ سلیمان ندوی نے نقوش سلیمانی ص ۲۵ مین بہت سے الفاظ ان تاریخون سے نقل کئے ہین، مثلاً برنی کی تاریخ مین ٹھگ، لونڈی، ٹیکہ، ڈھولک، چبوترہ، مٹھ، منڈی، تھانہ، چودھری، باش وغیرہ، سراج عفیف کی تاریخ میں بھی بکثرت ہین، مثلاً لک، کھوک، چونہ، راج (معمار) کنگرہ، چودھرایان، لت، گھڑیال، چھتر وغیرہ۔

مذکورۂ بالا الفاظ سے ظاہر ہے کہ ہماری زبان ساتوین صدی ہجری سے بہت عام ہو گئی تھی، اور پانچوین اور چھٹی صدی ہجری کی بہ نسبت اس صدی مین اردو کے الفاظ فارسی مین زیادہ رائج تھے، اس کی وجہ یہی معلوم ہوتی ہے، کہ مسلمانون نے جب دہلی کو مستقل طور پر اپنا پایہ تخت بنایا اور اس طریقہ سے ان کا مستقل قیام ہندوستان مین ہوا، تو ان کے میل جول مین وسعت پیدا ہوئی اور اس وسعت سے ہندوستانی الفاظ کے استعمال مین بھی وسعت ہوئی، اور ایک ایسا مکمل ہیولیٰ تیار ہوا جس سے ہماری موجودہ اردو زبان کی صورت پیدا ہوئی،

اس مختصر سیاسی دور سے ملا ہوا ہمارے مضمون کا تیسرا دور شروع ہوتا ہے، جو بہت مبارک ثابت ہوتا ہے، کیونکہ اسی دور مین فارسی سے بے نیازی بھی برتی گئی، اور بالکل علیحدہ طور پر اردو کے مستقل جملے محفوظ ہو گئے،

تیسرا دور آٹھوین اور نوین صدی ہجری (یعنی چودہوین اور پندرہوین صدی عیسوی)

اس دور مین داخل ہوتے ہی ہمین فارسی تصانیف مین محض اردو الفاظ کے استعمال کے بجائے اردو کے قبضہ اور قوت کے ایسے ثبوت ملتے ہین، جن کو ہم کسی تاویل اور توجیہ سے رد نہین کر سکتے:

حضرت امیر خسروؒ (المتوفی ۷۲۵ھ ۱۳۲۵ء) کی خالق باری سے پروفیسر شیرانی صاحب نے انکار ضرور کیا،

لیکن اُن کے دوسرے اشعار بھی پیش کئے ہین، (پنجاب مین اردو ص ۱۲۵، ۱۲۷) جن سے کم از کم یہ ثابت ہے، کہ امیر خسروؒ نے ہماری زبان مین شاعری کی، گو کہ وہ اپنے قدیم رنگ مین ہے، اسکے علاوہ ان کی فارسی شاعری مین بھی ہندوستانی رنگ آجاتا ہے، اُن کا ایک شعر ہے،:-

بلبل ازین غصہ چنان خون نشست   کز تہ دُم رنگ دگر گونہ بست

بقول صاحب بہار عجم "خون نشستن" دراصل ہندوستانی محاورے کا ترجمہ ہے، اس شعر سے یہ بھی ثابت ہو کہ ہندوستانی گُلدم کو امیر خسرو نے بلبل ہی کہا ہے:-

سراج عفیف کی طرح خسرو نے بھی ہندوستانی "لاکھ" کو "لک" باندھا ہے:-

شعر از بخشش شود گرچہ مواجب صد لک آست   نے کہن آید فراہم ہیچ معنی نے نوم

خسرو کے پیر حضرت نظام الدین اولیاءؒ کے فارسی ملفوظات جو فوائد الفوادؒ کے نام سے موسوم ہین، ان مین بعض ہندوستانی لفظ بھی بلا تکلف آگئے ہین، مثلاً پیاز، لنگوٹہ، کھٹ، چھچھ، لنگھن لٹ وغیرہ (نقوش سلیمانی ص ۴۴)

اُن بزرگان دین مین سے جنھون نے اس دور مین اپنے باقیات صالحات چھوڑے ہین، کم از کم خواجہ فرید الدین گنج شکرؒ (المتوفی ۶۷۰ھ ۱۲۷۱ء) شیخ شرف الدین یحییٰ منیریؒ (المتوفی ۷۸۲ھ ۱۳۸۰ء) اور سید اشرف جہانگیر سمنانیؒ (المتوفی ۷۹۸ھ ۱۳۹۵ء) ضرور قابلِ ذکر ہین، ان بزرگون کے ملفوظات اور فقرات سے ہماری زبان کی تاریخ مین بہت مدد ملی ہے، اور ان ادبی شہ پارون کے جمع کرنے مین حکیم شمس اللہ، مولٰنا عبد الحق صاحب، علامہ سلیمان ندوی اور درد کاکوروی صاحب کے ہم بہت ممنون ہین، شیخ شرف الدین یحییٰ منیریؒ کے جس اردو فقرہ کے متعلق علامہ سلیمان صاحب نے ذکر کیا ہے، اس کے دو نسخے میرے وطن جبل پور مین میرے نانا مولانا عبد القادر خانصاحب ٹونکی مرحوم کی ایک بیاض مین بھی ملے ہین،

ان بزرگان دین کے علاوہ اس دور کی لغت کی تین کتابین بھی اب کافی مشہور ہو چکی ہین یعنی بحر الفضائل (۷۹۵ھ / ۱۳۹۲ء) اداة الفضلاء (۸۲۲ھ / ۱۴۱۹ء) اور شرف نامہ (۸۵۲ھ / ۱۴۴۸ء) ان کے علاوہ چوتھی کتاب لغت موید الفضلا ہے، جو ۹۲۴ھ / ۱۵۱۸ء مین مرتب ہوئی، ان لغات میں ہماری زبان کے الفاظ اگر ہمارے اس مضمون کی تائید مین، فارسی تحریر مین اپنا اثر بتا رہے ہین، تو ساتھ ہی یہ بھی ظاہر کر رہے ہین، کہ ان کے مولفین ان الفاظ کے استعمال کرنے پر مجبور ہوئے، تا کہ ان کے پڑھنے والے ہماری اردو زبان کی مدد سے زیادہ آسانی کے ساتھ فارسی الفاظ کے معنی سمجھ سکین، یہ ہے ہماری زبان کا قبضہ اور قوت۔

یہ تو خیر فارسی تحریرین تھیں، جن مین ہماری زبان گھر کئے ہوئے ہے لیکن حیرت ہوتی ہے، کہ ابن بطوطہ جو اسی دور مین یعنی ۷۳۴ھ / ۱۳۳۳ء مین ہندوستان آیا، وہ بھی ہماری زبان کے الفاظ سے اپنے عربی سفرنامہ مین گریز نہ کر سکا، چنانچہ کچھ تحریف کے ساتھ اس کے سفرنامہ مین یہ الفاظ ملتے ہین:۔ تنکہ، منڈی، ڈولہ، کہار، کنگھر، کتشری (کھچڑی)، جوتری (چودھری) جوگیہ (جوگی) قطارہ (کٹارہ) وغیرہ (عالمگیر خاص نمبر ۳۵ھ صفحہ ۳۴، پروفیسر حامد حسن قادری)

اسی دور کے آخر مین ملا حسین واعظ کاشفی (المتوفی ۹۱۰ھ / ۱۵۰۴ء) نے جب انوار سہیلی لکھی، تو اس مین بھی ہمارے ہندوستان کے ایک دو لفظ کو یاد کیا، لکھتے ہین کہ جب رائے دابشلیم اپنی منزل مقصود پر پہونچا، تو اُسے معلوم ہوا کہ "آن مسکن حکیمے است کہ او را مید پاپے خوانند یعنی طبیب مہربان، و در ذکا بر ہند استماع افتادہ کہ نام او بیدپاپے است کہ بہ ہندی ہتی پات خوانند" ممکن ہے کہ بعض حضرات کو ان لفظون کے سننے سے یہ کہنے کا موقع ملے کہ انوار سہیلی تو اپنی اصلیت مین ہندوستان ہی سے تعلق رکھتی ہے، اس لئے یہ لفظ بھی وہان قائم رہے، تو عرض ہے کہ ان لفظون کا تعلق بھاشا سے ہے، نہ کہ سنسکرت سے۔

ملا واعظ کاشفی کا نام آجانے سے ایک بات یاد آئی، کہ اُن کی ایک اور کتاب رشحات عین الحیات جو ۹۰۹ھ / ۱۵۰۳ء مین لکھی گئی، اس کے دیباچہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا لقب یا تخلص "صفی" تھا، اور قرین یقین ہے کہ مولانا عبد الحق صاحب نے قصہ چہار درویش کے ماخذ کے متعلق جس صفی کے فارسی قصے کے متعلق بحث کی ہے، وہ یہی واعظ کاشفی ہون، کیونکہ طرز تحریر بہت زیادہ ملتا جلتا ہے، اور خود انوار سہیلی ایک ثبوت ہے کہ وہ مذہب اخلاق کے قصون مین بھی دلچسپی لیتے تھے،

یہان تک تو نوین صدی ہجری یعنی پندرھوین صدی عیسوی تک کے متعلق بحث تھی کہ کس کس طرح ہماری اردو نے فارسی پر قبضہ جمایا، اور کیسی لافانی زندگی ہمارے ادب کو حاصل ہوئی اب ہم دسوین اور گیارھوین صدی ہجری مین داخل ہوتے ہین، جب کہ فارسی کے بڑے سے بڑے شاعر بھی ہماری زبان کے محتاج ہوئے (لیکن ہم یہان فیضی اور ابو الفضل کے ہندوستانی الفاظ کو اُن کی کافی شہرت کی وجہ سے بیان کرنے کی ضرورت نہین سمجھتے)

(باقی)

رُباعیاتِ خیام مرصاد العباد مین

از

مولوی امتیاز علی خانصاحب عرشی ناظم کتبخانہ رامپور

مرصاد العباد من المبدأ والمعاد نجم الدین ابو بکر رازی ہمدانی کی فارسی سلوک مین ایک کتاب ہے، جو ۶۲۰ھ مین تالیف ہوئی ہے، اس مین مختلف موقعون پر بعض رباعیان اور اشعار آگئے ہین، اس سلسلہ مین خیام کی بھی چند رباعیان آگئی ہین، رباعیات خیام کے قدیم ماخذون کی تقریب سے اس کتاب کا بھی ذکر آتا ہے، سب سے پہلے اسکا حوالہ ۱۸۹۵ء مین روسی مستشرق زوکوووسکی کے مضمون مین آیا ہے، اور جو منظفریہ نام مجموعہ مین شائع ہوا ہے،

لیکن زوکوووسکی نے اس کتاب کے صرف دو موقعون کا حوالہ دیا ہے، جس مین خیام کے نام سے دو رباعیان مذکور ہین، لیکن اس کتاب مین اور بھی چند ایسی رباعیان ملتی ہین، جن مین گو خیام کی تصریح نہیں، مگر وہ خیام کے بعض نسخون مین مذکور ہین، ذیل کی سطرون مین ان تمام مقامات کا حوالہ دیا جاتا ہے جن مین یہ رباعیان نام سے یا بلا نام اس کتاب مین مذکور ہین،

میرے سامنے اس وقت کتاب کا وہ قلمی نسخہ ہے، جو کتب خانہ رامپور مین بذیل فارسی سلوک نمبر ۲۲۴ پر ہے،

۱- ورق ۱۰، الف و ب تا ۱۱، الف،

"و چون مرید صادق و طالب عاشق از سر صدق و تمانی نہ از سرِ ہوا و تمنی مطالعہ کند بر اصولِ این

فصول اطلاع یابد، واقف گردد کہ او کیست، از کجا آمدہ است، و چون آمدہ است، بچہ کار آمدہ است وکجا خواہد رفت، و چون خواہد رفت، و مقصد و مقصود او چہ چیز است، رباعی

جان و دلِ عاقلان عالم ریشست زان یک منزل کہ جملہ در پیش است

از تیغِ اجل بریدہ در طشتِ فنا زین غم سرِ صد ہزار زیرک نیش است

و معلوم گردد کہ روحِ پاک علوی نورانی را در قالبِ خاکی سفلی ظلمانی کشیدن چہ حکمت بود و باز مفارقت دادن و قطع تعلق روح از قالب کردن، و خرابی صورت چراست، و باز در حشر قالب را نشر کردن و کسوتِ روح ساختن سبب چیست، آن کہ از زمرۂ اُولٰئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ سَبِيلاً بیرون آید، و بمرتبہ انسانی رسد، و از حجابِ غفلت يَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ عَنِ الْاٰخِرَةِ هُمْ غَافِلُوْنَ خلاص یابد، و قدم تشوق و ذوق در راہ سلوک نہد، تا آنچہ در نظر آرد، در قدم آورد کہ ثمرۂ نظر ایمان است، و ثمرۂ قدم عرفانست، بیچارہ فلسفی و دہری و طبایعی کہ ازین ہر دو مقام محروم مند و بیخبر و سرگشتہ و گم گشتہ، تا یکے از فضلا کہ نزد ایشان بفضل و حکمت و کیاست معروف و مشہور است، و آن عمر خیام است عَلَيْهِ مَا يَسْتَحِقُّهُ، از نہایت حیرت در تیہ ضلالت او را جنس این بیتہا می آید، گفت و اظہار نابینائی کرد، رباعی

در دائرہ پرکار صفت رفتن ہست آنرا نہ بدایت نہ نہایت پیداست

کس می نزند دمی درین عالم راست کین آمدن از کجا و رفتن بکجاست

رباعی

دارندہ چو ترکیب طبایع آراست باز از چہ قبل فگندش اندر کم وکاست

گر زشت آمد این صُوَر عیب کراست ور خوب آمد خرابی از بہر چراست

و آن سرگشتہ نابینا فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِىْ فِى الصُّدُوْرِ"

راجز نیست کہ حق تعالیٰ را بندگانند کہ در متابعت سید المرسلین و سید الاولین والآخرین برکل کائنات عبور کردہ اند، و از "قاب قوسین" در گزشتہ، و در سر "او ادنیٰ" ہمگی ہستی خویش گم کردہ و دیدہ بصیرت را بکحل "مازاغ البصر و ما طغیٰ" مکحل گردانیدہ "الخ"

یہ دونون رباعیان کتاب مذکور کے ورق ۱۰۸، الف پر درج ہین :-

۲- کتاب مذکور ورق ۲۲۶، الف

"اما آنچہ حکمت در میرانیدن بعد از حیات و در زندہ کردن بعد از ممات چہ بود تا جواب آن سرگشتۂ غافل و گم گشتۂ عاطل گفتہ آید کہ می گوید، عمر خیام، رباعی

دارندہ چو ترکیب طبائع آراست   بازاز چہ قبل فگند اندر کم و کاست
گر زشت آمد صورتش آن عیب کراست   ورنیک آمد خرابی از بہر چہ است

یہ رباعی ورق مذکور پر سابق رباعی سے مختلف الالفاظ شکل مین منقول ہے، بعینہ جیسا مین نے نقل کیا ہے،

۳- کتاب مذکور ورق ۴۴، الف و ب،

"الطافِ الوہیت و حکمت ربوبیت بسرِ ملایکہ فرو می گفت "انّی اعلم ما لا تعلمون"، شما چہ می دانید کہ مارا با این مشتے خاک از ازل تا ابد چہ کارہا در پیش است :- شعر

عشقے است کہ از ازل مرا در سر بود   کاریست کہ تا ابد مرا در پیش است

شما معذورید کہ شمارا سر و کار با عشق نبودہ است شما خشک زاہدانِ صومعہ نشین خطا بر قدس آید، از گرم روانِ خراباتِ عشق چہ خبر دارید، سلامتیان را از ذوق حالت ملامتیان چہ چاشنی تواند بود، رباعی

قدرِ گل و مل بادہ پرستاں دانند   نے تنگ دلان تنگ دستاں دانند

از بیخبری بے خبران معذورند   سریست درین شیوہ کہ مستان دانند
دردِ دلِ خستہ دردمنداں دانند   نے خوش منشان و خیرہ خندان دانند
از سرِ قلندری تو گر محرومی   سریست درین شیوہ کہ رندان دانند

پہلی رباعی خیام کے مجموعۂ رباعیات مین شامل ہے، لیکن مرصاد العباد مین بے نام مذکور ہوئی ہے، اور دوسری رباعی خیام کی نہین، غالباً کسی شاعر نے اُسی زمین مین طبع آزمائی کی ہے-

۴- الف ورق ۱۰۸، ب

رباعی

تا دل ز بد و نیک جہان آگاہست   دستش ز بد و نیک جہاں کوتاہست
زین پیش دلی بود و ہزار اندیشہ   اکنوں ہمہ لا الٰہ الا اللہ است

۵- ایضاً- ورق ۱۸۱، الف،

اما این ضعیف بنا بران نظر کہ بس مدعیان بی معنی درمیان این طائفہ پدید آمدہ اند...

چنان کہ عزیزی گوید، رباعی :

پوشیدہ مرقعند این خامی چند   بگرفتہ ز طامات الف لامی چند
نارفتہ رہ صدق و صفا گامی چند   بدنام کنندۂ نکونامی چند

خواست تا برائے محک این مدعیان از مقامات و احوال سلوک شمہ بیان کند،

یہ رباعی بھی مجموعہ رباعیات خیام مین نظر آتی ہے، لیکن مرصاد مین کسی نام کے بغیر مذکور ہے،

تلخیص و تبصرہ

شاہجہاں کے ہمعصر مورخین

مولوی ہدایت حسین صاحب نے جولائی ۳۴ء کے اسلامک کلچر مین شاہجہانی عہد (۱۰۳۷-۱۰۶۹ھ مطابق ۱۶۲۸-۱۶۵۹ء) کے مورخین کی تصانیف اوران کے مختصر حالات لکھے ہین، یہ مقالہ مغلون کی تاریخ کے طالب علمون کے لئے مفید اور کارآمد ہے، اس لئے اسکی تلخیص پیش کیجاتی ہے،

۱- احوال شاہزادگی شاہجہان:- اس کتاب مین شاہجہان کے بچپن سے لیکر اوسکی تخت نشینی تک (۱۰۰۰-۱۰۳۶ھ مطابق ۱۵۹۰-۱۶۲۶ء) کے حالات ہین مصنف کتاب نے اپنا نام نہین ظاہر کیا ہے، لیکن تحقیقات سے پتہ چلتا ہے، کہ یہ معتمد خان کی تصنیف ہے، ڈاکٹر ریو (Dr. Rieu) نے اپنے کیٹلاگ میں لکھا ہے کہ اگر اس کتاب کے مصنف کا نام معتمد مان لیا جائے، تو اقبالنامہ جہانگیری جو مشہور تاریخ سمجھی جاتی ہے، اس کا مصنف کوئی دوسرا شخص تھا، اس کتاب کے چند مصرعون سے یہ معلوم ہوتا ہے، کہ یہ شاہجہان کے عہد مین لکھی گئی،

۲- بادشاہ نامہ یا شاہجہان نامہ مولفہ مرزا جلال الدین طباطبائی، یہ ایک سرکاری ریکارڈ ہے جس مین شاہجہان کی حکومت کے پانچوین سال کے آغاز سے آٹھوین سال کے خاتمہ (۲۰ مارچ ۱۶۳۲ء، ۱۹ مارچ ۱۶۳۶ء) تک کے حالات درج ہین، مرزا جلال الدین ۱۰۴۴ھ مطابق ۱۶۳۴ء مین اصفہان سے ہندستان آیا، اور درباری مورخ مقرر کیا گیا، وہ پانچ سال کی تاریخ مرتب کرنا

چاہتا تھا، لیکن حریف کی سازش سے یہ ارادہ ترک کردینا پڑا،

یہ فارسی انشا مین ایک نئے طرز کا مالک تھا جو بہت ہی مقبول تھا، ابوالفضل کے علاوہ کسی کی انشا مین یہ بات نہین ہے، ذیل کی تصنیفات بھی اسی کی ہین،

(الف) **شش فتح کانگڑہ:-** شاہجہان نے گجرات کی صوبہ داری کے زمانہ مین سورج مل ولد راجہ باسو کے خلاف راجہ بکرماجیت کی سرکردگی مین ایک فوج بھیجی تھی جس نے ہمالیہ کے دامن کا ایک قلعہ کانگڑہ فتح کیا، مصنف نے مذکورۂ بالا کتاب مین اسی ایک واقعہ کو چھ اسلوبون مین لکھکر اپنی انشا کے جوہر دکھلائے ہین،

(ب) **توقیعات کسرویہ:-** یہ عربی کتاب خسرو انوشیروان کا فارسی ترجمہ ہے، اس مین موبد موبدان کے نظریہ کے مطابق سوال وجواب کی صورت مین ابتدائے آفرینش یا تخلیق عالم اور دوسرے فلسفیانہ مباحث ہین،

(ج) **منتخب از بیاض:-** یہ خطوط کا مجموعہ ہے جس میں مبارکباد مین اور دوسری فتح تحریرین ہین، ذیل کے خطوط خاص طور سے دلچسپ ہین، افضل خان (ملا شکراللہ شیرازی وزیر شاہجہانی متوفی ۱۰۴۸ھ) مرزا محمد حسین اور شاعر ابوطالب کلیم کے نام اور عبداللہ خان اوزبک کو شاہ عباس کی طرف سے اور انکے علاوہ بہت سے مبارکباد کے خطوط خود شاہجہان کے نام ہین،

۳- جنگ اسلام خان یا مثنوی در فتح بنگالہ مصنفہ محمد قلی سلیم طہرانی:- اس مین کوچ بہار اور آسام پر اسلام خان کی فتح کا واقعہ کو منظوم کیا گیا ہے، مصنف کچھ دنون مرزا عبداللہ صوبہ دار لاہجان کے ساتھ تھا، پھر شاہجہان کے عہد مین ہندوستان آیا، یہان شاہی دربار کے ایک معزز امیر اسلام خان نے اوسکی سرپرستی کی، اسلام خان نے کوچ بہار اور آسام ۱۰۴۷ھ مطابق ۱۶۳۷ء مین فتح کیا تھا، محمد قلی کا انتقال ۱۰۵۷ھ مطابق ۱۶۴۷ء مین ہوا،

۴۔ **شاہجہان نامہ یا تاریخ شاہجہانی** مصنفہ صدیق خان :۔ یہ شاہجہان کی ایک نایاب تاریخ ہے، جو جہانگیر کی علالت اور شاہجہان کی تخت نشینی سے شروع ہوتی ہے، ہر سال کے واقعات سال بہ سال سادہ عبارت مین لکھے ہین، یہ داستان شاہجہان کی نظر بندی کے بعد ختم ہو جاتی ہے، آخر مین یہ لکھا ہے کہ شاہجہان کی زندگی کے آخری آٹھ سال قید مین گذرے،

مصنف کا مولد ایران ہے، اوس نے بڑی وفاداری سے شاہجہان کی خدمت کی، تخت نشینی کے بعد وہ بخشی بنا دیا گیا تھا، اور پھر شاہزادہ شجاع کا اتالیق مقرر ہوا، مالوہ، خاندیس اور بدخشان وغیرہ مین اس کے ساتھ تھا، بیس سال کی عمر سے برابر وہ شاہجہان کے ساتھ رہا، آگرہ مین وہ واقعہ نویس کے عہدہ پر بھی مامور تھا، داراشکوہ کی شکست کے وقت وہ ان چند امرا مین سے تھا، جو آخر وقت تک شاہجہان کے ساتھ رہے، اس نے اپنی کتاب مین ان امرا پر خفگی کا اظہار کیا ہے، جنھون نے مریض بادشاہ کو چھوڑ کر اوس کے باغی بیٹے کا ساتھ دیا، اورنگزیب نے اوس کو ۱۶۵۸ء مین برطرف کر دیا،

۵۔ **ظفرنامہ شاہجہانی** مصنفہ محمد جان الملقب بہ قدسی :۔ اسمین شاہجہانی عہد کی تاریخ کو ایک مثنوی کی شکل مین پیش کیا گیا ہے، مصنف کتاب نے بچپن ہی مین حج کیا تھا، اور ۱۰۴۱ھ؁ ۱۶۳۱ء مین ہندوستان آیا، عبد اللہ فیروز خان چھ ہزاری (متوفی ۱۰۵۴ھ؁ مطابق ۱۶۴۴ء) نے دربار شاہجہانی مین اس کا تعارف کرایا، بادشاہ نے اس کے کمالات کی پوری قدر کی، اور انعام و اکرام سے نوازا، اس کا اعزاز اتنا بڑھا کہ وہ درباری شاعر طالب کلیم سے کم رتبہ نہ رکھتا تھا، ۱۰۵۶ھ؁ مطابق ۱۶۴۶ء مین اس کا انتقال ہوا،

۶۔ **بادشاہ نامہ** مصنفہ میر محمد یحیٰی کاشی، اس مین شاہجہان کے حالات نظم کئے گئے ہین، اور اسکی عمارتون کا بھی کچھ حال ہے،

وہ کاشان سے ہندوستان آیا، اور بادشاہ اور ولی عہد کا قصیدہ نگار، اور پھر شاہی لائبریری مین مقرر ہوا، اسے بادشاہ کے حالات نظم کرنے کا حکم ملا تھا، لیکن پھر شاہی نظر عنایت سے محروم ہو گیا، اس لئے غالباً وہ تاریخ ناتمام رہی، اس کا کچھ حصہ صرف برٹش میوزیم مین ملتا ہے،

۷۔ **چہار چمن** مصنفہ چندر بھان المتخلص بہ برہمن، اس مین شاہجہان کے دربار، اس کی شان و شکوہ، آداب و رسوم، اور اس عہد کے خاص خاص شہروں شاہجہان آباد وغیرہ کی رونق اور چہل پہل کی تفصیل ہے، کتاب کے آخر مین مصنف نے اپنے حالات لکھے ہین،

یہ پنجاب کے برہمن دھرمداس کا لڑکا تھا، اس کی پیدائش لاہور مین ہوئی اور وہین ملا عبد الحکیم سیالکوٹی سے تعلیم حاصل کی، افضل خان کا معتمد مقرر ہوا، جو شاہجہان کے پہلے ہی سال جلوس میر سامان اور دوسرے سال دیوان کل مقرر ہوا، افضل خان کے انتقال ۱۰۴۹ھ؁ مطابق ۱۶۳۹ء کے بعد چندر بھان شاہی خدمت مین داخل ہوا، اور ۱۰۵۷ھ؁ مطابق ۱۶۴۷ء مین واقعہ نویس حضوری مقرر ہوا، اس کا کام یہ تھا کہ بادشاہ کے ساتھ رہے اور ہر روز کے واقعات روزانہ قلمبند کرتا رہے، پھر بادشاہ کے ایما سے داراشکوہ کی خدمت مین داخل ہوا، لیکن ۱۰۶۶ھ؁ ۱۶۵۶ء مین اسکی خدمات دار الانشار مین منتقل ہو گئین، اور رائے کا خطاب عطا ہوا، پھر شاہی سفیر کی حیثیت سے شاہ بیجاپور کے پاس بھیجا گیا،

مرآۃ الخیال صفحہ ۲۱۵ مین ہے کہ داراشکوہ کے انتقال کے بعد ۱۰۶۹ھ؁ ۱۶۵۹ء مین وہ شاہی خدمات سے دست بردار ہو گیا، اور بنارس چلا گیا، اور وہین ۱۰۷۳ھ؁ مطابق ۱۶۶۳ء مین اوس نے انتقال کیا،

رائے چندر بھان بلند پایہ نثر نگار تھا، شاعری سے بھی خاصا ذوق رکھتا تھا، یہ کتاب بہت شگفتہ نثر مین ہے، اور جابجا اوس کے اپنے اشعار بھی ہین، یہ چار چمن یا چار ابواب مین منقسم ہے،

(۱) پہلے باب مین دربار کے رسومات کا ذکر ہے، اور رسومات کے موقع کے اس کے اشعار

بھی درج ہین،

(۲) دوسرے باب مین دربار کی شان وشکوہ، شاہجہان کے روزانہ کے معمولات اس کے دار السلطنت شاہجہان آباد اور سلطنت کے دوسرے صوبون اور علاقون کی تفصیل ہے،

(۳) تیسرے مین مصنف کے حالاتِ زندگی اور اوس کے کچھ خطوط ہین،

(۴) چوتھے مین مذہبی اور اخلاقی خیالات سے بحث ہی،

۸- بادشاہ نامہ یا شاہجہان نامہ مصنف ابوطالب کلیم اس مین شاہجہان کے منظوم حالات ہین،

ابوطالب کلیم ہمدان مین پیدا ہوا، اور عمر کا زیادہ حصہ کاشان مین گذرا، شیراز مین علم کی تحصیل کی، اور جہانگیر کے زمانہ مین ہندوستان آیا، پھر ۱۰۲۸ھ مطابق ۱۶۱۸ء مین وطن لوٹ گیا، اور وہان دو تین سال قیام کرنے کے بعد پھر ہندوستان واپس چلا آیا، شاہجہان کی تخت نشینی کے فوراً ہی بعد وہ شاہی دربار سے متوسل ہوگیا، بہت جلد بادشاہ کا محبوب شاعر بن گیا اور ملک الشعراء کے خطاب سے سرفراز ہوا، اکثر تذکرون مین یہ واقعہ لکھا ہے، کہ شاہ روم نے مغل بادشاہ سے یہ سوال کیا تھا، کہ وہ صرف ہندوستان کا بادشاہ ہو کر سارے جہان کی بادشاہی کا کیون مدعی ہے، کلیم نے اس کا یہ مشہور جواب دیا تھا ؎

بیت

ہند و جہان ز روے عدد چون بود یکے — بر شہ خطاب شاہ جہان زان مقرر است

کلیم اور قدسی دونون ایک ہی وقت مین شاہجہان کے حالات نظم کر رہے تھے، کلیم کشمیر مین اسکی تکمیل کر رہا تھا جہان ۱۰۶۲ھ یا ۱۰۶۱ھ مطابق ۱۶۵۱ء یا ۱۶۵۰ء مین راہی ملک بقا ہوا، خلاصۃ الکلام کے بیان کے مطابق اس مین شاہجہان کے دس سال کے حالات ہین، اور اشعار کی تعداد ۱۴۹۴۰ ہے،

۹- لطائف الاخبار یا تاریخ قندھاری، شاہزادہ دارا شکوہ کی مہم قندھار ۱۰۶۳ھ مطابق ۱۶۵۲ء کے تفصیلی حالات ہین، کتاب مین مصنف کا کہین نام نہین ہے، لیکن خافی خان اسکو راشد خان معروف بہ محمد بدیع دیوان مہابت خان کی طرف منسوب کرتا ہے، تمہید مین اس نے لکھا ہے، کہ وہ قندھار کی مہم مین دارا شکوہ کے ساتھ تھا، ہمین ان واقعات کو جنھین اپنی آنکھون سے دیکھا یا معتبر ذرائع سے سنا اس کتاب مین قلمبند کیا ہے،

دارا شکوہ کی شکست کے بعد اس نے اورنگزیب کی خدمت مین تقرب حاصل کیا، اور اسکے چوبیسویں سال دیوان خالصہ مقرر ہوا، تذکرۃ الامراء کے بیان کے مطابق اوس نے اورنگزیب کے ۴۱ وین سال جلوس ۱۱۱۰ھ / ۱۶۹۸ء مین انتقال کیا، اور تاریخ محمدی کے بیان کے مطابق ۱۱۰۷ھ / ۱۶۹۵ء مین آگرہ مین اس کا انتقال ہوا،

یہ کتاب تین حصون مین منقسم ہے، (۱) اس مین کچھ حالات مہم قندھار سے پہلے کے ہین، مثلاً اوزبک کی بغاوت ۱۰۵۶ھ مطابق ۱۶۴۶ء اور اورنگزیب اور مراد کی سرکردگی مین قندھار کی مہم اور آخر مین دارا شکوہ کی چڑھائی (۲) محاصرہ کے واقعات جو روز کے روز لکھ لئے جاتے تھے، یعنی ۱۰ جمادی الثانی ۱۰۶۳ھ مطابق ۸ مئی ۱۶۵۲ء سے اسی سال کے ۱۵ ذی قعدہ تک (۳) قندھار سے دارا شکوہ کی واپسی اور ۹ ذیحجہ ۱۰۶۳ھ مطابق ۳۱ اکتوبر ۱۶۵۲ء مین ملتان مین اس کا درود،

میجر ریورٹی (Major Raverty) نے انگریزی مین اس کا سرسری ترجمہ کیا تھا جس کا ذکر اسٹوری نے کیا ہے،

بیان کیا جاتا ہے کہ اس کتاب کے مندرجہ واقعات بالکل صحیح ہین، اس مہم کے بعد دارا شکوہ پر شاہی نظر عنایت کی بارش ہوئی، اور اس کو شاہزادہ بلند اقبال کا خطاب ملا، اور دربار عام مین بادشاہ کے تخت کے پہلو مین ایک چاندی کی کرسی اس کے لئے مخصوص کی گئی، منصب مین دس ہزار

پیادہ اور دس ہزار سوار کا اضافہ ہوا، اور ایک لاکھ اشرفی انعام ملی،

۱۰- **بادشاہ نامہ** مصنفہ عبدالحمید لاہوری، یہ شاہجہان کے عہد کی سرکاری تاریخ ہے اور تین جلدون مین ہے، ہر جلد مین دس قمری سال کے حالات درج ہین، کل حالات بیس سال (۱۰۳۷ھ تا ۱۰۵۷ھ مطابق ۱۶۲۷ء تا ۱۶۴۷ء) کے ہین، مصنف ابوالفضل کا شاگرد تھا، اور اپنے زمانہ کے طرز انشاء کا ماہر، شاہجہان نے اس کا نام سنکر اپنے دربار مین بلایا، اور اکبرنامہ کی طرح ایک تاریخ مرتب کرنے کا حکم دیا، اس نے پہلی دو جلدین بڑی کامیابی سے لکھی ہین جس پر سعد اللہ خان وزیر شاہجہان نے نظر ثانی کی ہے، ضعف پیری نے تیسری جلد لکھنے نہ دی، ۱۰۶۵ھ مطابق ۱۶۵۵ء مین اس کا انتقال ہوا، تیسری جلد جسمین ۱۰۵۷ھ سے لیکر ۱۰۶۷ھ مطابق ۱۶۴۷ء سے لیکر ۱۶۵۷ء تک کے حالات ہین محمد وارث نے لکھی ہے، یہ عبدالحمید کا شاگرد اور فارسی انشاء پر قادر تھا، استاذ کی معذوری کے بعد یہ خدمت اوس کے لائق شاگرد کے سپرد ہوئی، حکم ہوا کہ یہ کتاب فاضل خان کے پاس نظر ثانی کے لئے بھیجی جائے، وارث خان دس ربیع الاول کو ایک پاگل طالب علم کے ہاتھ سے مارا گیا،

۱۱- **ملخص** یا شاہجہان نامہ مصنفہ محمد طاہر تخلص آشنا معروف بہ عنایت خان بن ظفر خان ابن خواجہ ابوالحسن، اس کے آبا و اجداد صاحب قلم تھے، اور مغل سلاطین کے زمانہ سے بہت ممتاز عہدون پر سرفراز رہے، اس کا دادا ابوالحسن متوفی ۱۰۴۲ھ شاہ جہانگیر کے زمانہ مین پنج ہزاری منصب رکھتا تھا، اور اوس کا باپ ظفر خان کشمیر اور کابل کا صوبہ دار تھا، وہ شاہجہان کا داروغہ کتب خانہ حضوری اور داروغہ کتب خانہ کے عہدہ پر مامور تھا، اکثر کتابون پر اس کے دستخط ملتے ہین، اورنگزیب کے عہد مین وہ کشمیر مین عزلت نشین ہوگیا، جہان ۱۰۷۷ھ یا ۱۰۸۱ھ مطابق ۱۶۶۶ء یا ۱۶۷۰ء مین راہی ملک بقا ہوا،

اسکی کتاب عبدالحمید اور محمد وارث کے بادشاہ نامہ کا خلاصہ ہے، اسی لئے اس کا نام ملخص

رکھا گیا ہے، اس کا انگریزی ترجمہ جس کو میجر فولر (Major Fuller) نے کیا تھا، برٹش میوزیم مین محفوظ ہے، الیٹ کی ساتوین جلد صفحہ ۷۳ سے صفحہ ۱۲۰ تک تمہید اور کچھ حصون کے ترجمے ہین،

کلیات آشنا بھی اسی سے منسوب ہے،

۱۲- **تاریخ دلکشا** مصنفہ شیخ عنایت اللہ کنبوہ، اس مین شاہجہان اور اوس کے ماقبل کی تاریخ ہے، مولف برہان پور مین پیدا ہوا، محمد صالح مصنف عمل صالح کا بڑا بھائی اور استاذ تھا، کچھ دنون تک اوس نے شاہجہان کی خدمت کی، اوس کے بعد دنیا چھوڑ کر دہلی مین حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ کے روضہ پر زندگی گذار دی، ۱۰۸۲ھ مطابق ۱۶۷۱ء مین ۶۵ برس کے سن مین انتقال کیا، مشہور و مقبول کتاب بہار دانش بھی اسی کی تالیف ہے،

۱۳- **عمل صالح** مصنفہ محمد صالح کنبوہ لاہوری یہ شاہجہان کی ایک مفصل تاریخ ہے، مصنف عنایت اللہ کنبوہ کا شاگرد تھا، اور اوسکو اپنا بڑا بھائی کہکر پکارتا تھا، لاہور کے ایک شاعر سے بچپن سے اس کے گہرے تعلقات تھے جبکا عین شباب مین انتقال ہوگیا، پروفیسر ڈوسن (Dowson تاریخ الیٹ جلد، ص ۱۲۳) کو صالح کاشفی اور مصنف کتاب ہذا کے بارہ مین اشتباہ ہوگیا، میر صالح کاشفی ایک مشہور اہل قلم اور شاعر تھا، جس کا انتقال ۱۰۶۱ھ مطابق ۱۶۵۰ء یعنی اس کتاب کی تصنیف سے نو سال پہلے ہوا، ایس، ام لطیف نے اپنی کتاب "لاہور، اور اوس کی تاریخ" مین اس کی تاریخ وفات ۱۰۸۵ھ مطابق ۱۶۷۵ء لکھی ہے، موچی دروازہ لاہور مین ابتک اس کا مقبرہ موجود ہے، پروفیسر غلام یزدانی اپنے مقدمہ ص ۸ مین لکھتے ہین: ایک چھوٹی سی مسجد جو اس کے حکم سے بنی تھی، موچی دروازہ مین ابتک موجود ہے، مسجد مین اسکی تعمیر کی تاریخ ۱۰۷۹ھ مطابق ۱۶۶۸ء درج ہے،

عمل صالح بہت کار آمد تصنیف ہے، یہ ۱۰۷۰ھ مطابق ۱۶۶۴ء مین تکمیل کو پہونچی، شاہجہان

کی وفات اور دوسرے حالات جو ۱۰۸۰ھ مطابق ۱۶۶۹ء تک وقوع پذیر ہوئے، وہ بعد کے اڈیشن مین بڑھائے گئے ہون گے، محمد صالح مذکورہ کتاب کے علاوہ مندرجہ ذیل کتابون کا بھی مصنف ہے،

(الف) **فتح بلخ**: اسمیں اس مہم کے حالات ہین جو شاہجہان نے شاہزادہ مرادبخش اور علی مردان خان کی سرکردگی مین ازبک سردار نذر محمد کے خلاف بھیجی تھی، اس مہم مین ۲۰ رجادی الاول ۱۰۵۶ھ مین شاہزادہ مذکور نے بلخ فتح کیا،

(ب) **بہار سخن**:- یہ اوس کے خطوط اور قصائد اور انشا پردازی کے نمونون کا مجموعہ ہے، جو چار حصون مین منقسم ہے، جس کو چمن کہتے ہین، چنانچہ شاہجہان کی شان مین چند قصائد اور شاہجہان، اورنگزیب اور دوسرے شاہزادون کے نام سے چند خطوط اور شاہجہان آباد، آگرہ، کشمیر اور بعض دوسرے مقامات کے حالات ہین،

۱۴- **تحفۂ شاہجہانی**، مصنفہ سودھاری لال، یہ شاہجہان کی پیدایش ۱۰۰۰ھ مطابق ۱۵۹۲ء سے لیکر اسکی وفات ۱۰۷۶ھ مطابق ۱۶۶۶ء کی مختصر تاریخ ہے، مصنف کے حالات معلوم نہ ہوسکے،

۱۵- **آشوب نامۂ ہندوستان**، مصنفہ بہشتی شیرازی، یہ شاہجہان کے عہد کی خانہ جنگی پر ایک تاریخی نظم ہے، اس مین تخت وتاج کے لئے اس کے بیٹون کی خانہ جنگی کے حالات ہین، بہشتی مشہور شاعر اور سلطان مرادبخش کا قصیدہ نگار تھا، یہ تصنیف اوس نے اپنے آقا کی حمایت اور اورنگزیب کی مخالفت مین لکھی اور مراد کی موت کے قبل اوس نے اس کتاب کی تکمیل کر لی تھی، اسکو آشوب ہندوستان بھی کہتے ہین،

۱۶- **بادشاہ نامہ** مصنفہ محمد امین بن عبدالحسین قزوینی معروف بہ مرزا امینا، یہ شاہجہان کے پہلے دس سال کی تاریخ ہے، مصنف ایران کا رہنے والا تھا، شاہجہان کے زمانہ مین ہندوستان

آیا، اور اسکی تخت نشینی کے پانچوین سال منشی کی خدمت پر مامور ہوا، شاہجہان اپنے درباری مورخین کے کام سے مطمئن نہین تھا، اس لئے آٹھوین سال جلوس مین اسے وقائع نگار مقرر کیا، اور اپنی دس سالہ حکومت کی تاریخ کی تدوین اس کے سپرد کی، جس کا نام بادشاہ نامہ خود شاہجہاں ہی نے رکھا تھا، مصنف دوسری جلد مین دوسرے دس سال کی تاریخ لکھنا چاہتا تھا، لیکن پھر محکمۂ جرسانی مین منتقل ہوگیا، اس لئے یہ کام پورا نہ کرسکا، یہ کتاب تین ابواب مین منقسم ہے،

پہلے باب مین شاہجہان کی پیدایش، اس کے آبا و اجداد کے حالات اور اس کی کم سنی کے واقعات ہین،

دوسرے باب مین تخت نشینی اور حکومت کے دس سال کے حالات ہین،

آخری سال کی تاریخ مکمل نہین ہے، اور شہور مطابق جمادی الاول ۱۰۴۷ھ پر ختم ہوجاتی ہے، اس مین یہ ہے کہ بادشاہ نے شمسی مہینون کے بجائے قمری مہینے جاری کئے ہین، اور یہ حکم دیا ہے کہ سنہ یعنی اسکے جلوس کے گیارہوین سال کا آغاز پہلی جمادی الثانی سے کیا جائے،

بانکی پور مین اس کا نہایت قیمتی نسخہ موجود ہے، اس پر جارج پنجم اور ملکہ میری کے دستخط بھی ہین جو ۱۹۱۱ء مین تاجپوشی کے موقع پر ان کے سامنے پیش کیا گیا تھا،

اس کتاب مین شاہجہان کے وقت کے گیارہ نہایت خوبصورت مرقعے اور عمارتون مسجدون کی سات تصویرین بھی ہین، ایک مرقع مین جہانگیر شاہزادہ خرم (شاہجہان) کے ساتھ شکار مین جارہا ہے، جہانگیر کا گھوڑا ایک شیر کو دیکھکر بھڑکا، بادشاہ نے گھوڑے سے اتر کر شیر پر گولی چلائی لیکن نشانہ خطا کر گیا، شیر غضبناک ہوکر میر شکار پر حملہ آور ہوا، جہانگیر نے پھر دوسری گولی چلائی، شیر نے جہانگیر پر بھی حملہ کردیا، بادشاہ کو بچانے کے لئے انوپ رائے بیچ مین آگیا، شیر نے انوپ رائے کو زخمی کردیا، اور اوس کے ہاتھ اور بازو کو اپنے جبڑون مین دبالیا، اوس نے ایک ہاتھ چھڑا لیا، شاہزادہ

خرم نے تلوار سے شیر پر وار کرکے انوپ راے کی جان بچائی،

۱۷۔ **کتاب تاریخ**، تین مغل بادشاہون بابر، اکبر اور شاہجہان کی تاریخ ہو کتاب کے شروع مین تیمور کے کچھ حالات بھی ہین، مصنف اور کتاب کا نام کہین نہیں دیا ہے، لیکن اتنا یقینی ہے کہ وہ شاہجہان کے عہد مین لکھی گئی ہے، کیونکہ بادشاہ کے متعلق ہمیشہ صیغۂ حاضر استعمال کیا گیا ہے، بادشاہ کے آٹھوین سنہ جلوس ۱۰۴۴ھ مطابق ۱۶۳۴ء مین کتاب ختم ہو جاتی ہے،

۱۸۔ **وقائع دکن**، شاہجہانی عہد کے دکن کے حالات ہین، مصنف کا نام معلوم نہین

۱۹۔ **حلیۂ شاہجہانی**، یہ ایک مثنوی ہے، جس مین شاہجہان کا سراپا ہے، مورخ کا نام معلوم نہین ہے، لیکن غالباً کوئی درباری شاعر تھا،

"ا۔ع"

مقدمۂ رقعات عالمگیر

اس مین رقعات پر مختلف حیثیتون سے تبصرہ کیا گیا ہے، جس سے اسلامی فن انشا اور شاہانہ مراسلات کی تاریخ ہندوستان کے صیغۂ انشاء کے اصول نہایت تفصیل سے معلوم ہوتے ہین، بالخصوص خود عالمگیر کے انشاء اور اسکی تاریخ کے مآخذ اور عالمگیر کی ولادت سے برادرانہ جنگ تک کے تمام واقعات و سوانح پر خود ان رقعات کی روشنی مین تنقیدی بحث کی گئی ہے، قیمت للعہ، ۳۹ صفحے،

رقعات عالمگیر

اورنگ زیب عالمگیر کے خطوط و رقعات جو زمانہ شہزادگی سے برادرانہ جنگ تک اعزہ کے نام لکھے گئے ہین، اس جلد مین جمع کئے گئے ہین، اور ان سے علم و ادب، سیاست اور تاریخ کے بیسیون حقائق کا انکشاف ہوتا ہے، قیمت ے ر، ۴۰۰ صفحے،

"منیجر"

اخبار علمیہ

پیلومار کی عظیم الشان دوربین

ستر سال قبل جولس ورن (Jules Verne) نے ایک عاکسہ دوربین کے متعلق اشارہ کیا تھا، جس سے زمین سے لیکر چاند تک کی ساری چیزین دیکھ لی جاسکین گی، لیکن وہ اس کا عملی ثبوت نہ پیش کر سکا، اس لئے اوس کے دعوی کو خواب سے تعبیر کیا گیا،

بارہ سال ہوتے ہین کہ ڈاکٹر جارج ایلری ہیل (Dr. George Ellery Hale) کیلی فورنیا کی مونٹ ولسن رصدگاہ کے بانی نے ورن کی پیشین گوئی کو حقیقی شکل دینی چاہی، اور ایک ۲۰۰ انچ کی دوربین بنانی شروع کی جو آج بحر الکاہل سے ایک میل کی بلندی پیلومار کی چوٹی پر تکمیل کو پہنچ رہی ہے، اور بہت جلد اوس کا رخ آسمان کی طرف ہوگا، اور توقع ہے کہ ہزارون ستارے جو آج تک نگاہون سے مستور ہین، اب ظاہر ہو جائین گے اور کل کا خواب آج واقعہ بن جائے گا،

جارج ہیل کو تیرہ سال کی عمر سے نجومی بننے اور دوربین بنانے کا شوق تھا، اس کے باپ نے اوسکی ہمت بڑھائی، اور اوس کے شوق کی تکمیل کے لئے اس کی پوری مدد کرتا رہا، گریجویٹ ہونے کے دو ہی سال بعد اس نے ہیئت کا ایک آلہ تیار کیا، جس سے آفتاب کی تصویر لی جاسکتی ہے، اسے اسپکٹرو ہیلو گراف (Spectro helio graph) کہتے ہین، تیس سال

کی عمر میں وہ آفتاب کا ماہر سمجھا جانے لگا، چوبیس سال میں شکاگو یونیورسٹی میں پروفیسر مقرر ہوا، جب اوس نے یورپ کا سفر کیا تو اوس سے پہلے اسکی شہرت وہان پہونچ چکی تھی، اور اس کی ایجا بڑے بڑے عالمون سے داد و تحسین حاصل کرچکی تھی،

ڈاکٹر جارج ایلری ہیل دنیا کی تین رصدگاہون کا مالک تھا، وہ ۱۹۳۸ء میں اس دنیا سے چل بسا، لیکن ۲۰۰ انچ کی دوربین بناکر جو قریب قریب مکمل ہوچکی ہے، دنیا میں اپنا نام چھوڑ گیا،

ووٹ شماری کا جدید سائنٹفک طریقہ

ہندوستان میں ووٹ شماری کا جو طریقہ ہے، ہر شخص کو معلوم ہے، کہ اس میں بڑا وقت اور بڑی محنت صرف ہوتی ہے، لیکن متمدن ممالک ہر کام سائنس سے لیتے ہیں، چنانچہ امریکہ میں روزولٹ اور ولکی کے انتخاب میں نئے سائنٹفک طریقہ سے کام لیا گیا، جس سے ۴۰،۰۰۰،۰۰۰ اشخاص کے ووٹ چند گھنٹوں میں لئے، اور گنے گئے، اور نتیجہ کا اعلان کردیا گیا، پہلے اس میں کئی دن لگ جاتے تھے، ٹیلی ٹائپ، ٹیلی فون، ٹیلیگراف اور ریڈیو وغیرہ پہلے سے اس کام میں معاون تھے، لیکن ووٹ ریکارڈ کرنے کے آلہ نے اور زیادہ سہولت پیدا کردی، اس کا طریقہ یہ ہے کہ ایک ووٹر پولنگ اسٹیشن پر ایک ہینڈل گھمادیتا ہے، جس سے اس کے چاروں طرف پردہ گھر جاتا ہے، پھر وہ اپنے امیدوار کے نام کا بٹن دبادیتا ہے، جس سے مشین کے اندر اوس کا نام درج ہوجاتا ہے، اور نمبر بڑھتے جاتے ہیں، جب ووٹنگ ختم ہوجاتی ہے، تو فوراً اعداد کا شمار ہوجاتا ہے، اور یہ سارا کام مشین کے ذریعہ انجام پاتا ہے،

روزولٹ کے انتخاب میں ساڑھے نو بجے صبح ووٹنگ شروع ہوئی تھی، اور سات بجے

شام کو ختم ہوگئی، ساڑھے سات بجے پولیس کے ذریعہ اس کے نتائج مرکزی دفاتر میں بھیج دیے گئے، ساڑھے نو بجے نیوز ایجنسی تک خبر پہونچ گئی، اور سوا دس بجے کل نشر گاہون میں بھیج دی گئی، ساڑھے دس بجے وہان چارٹ تیار ہوگیا، اور گیارہ بجے امریکہ سے ساری دنیا میں نشر ہوگیا،

شطرنج سے ہوائی حملون کی روک

حال میں شطرنج کی چالون کے ذریعہ ہوائی حملوں کی مدافعت کا طریقہ اختیار کیا گیا ہے، اسکی صورت یہ ہے کہ ایک خاص کمرہ میں جو نقشے، فون، ریڈیو اور خبر رسانی کے آلون سے آراستہ ہوتا ہے، ایک ٹیبل پر شطرنج کی بساط بچھی ہوتی ہے، جس کے چارون طرف کھلاڑی بیٹھے رہتے ہیں، سب کے کانون میں فون لگا ہوتا ہے، جس کے ذریعہ انھیں منٹ منٹ کی خبرین ملتی رہتی ہیں، جب دشمن کے ہوائی جہازوں کی آمد کی خبر ہوتی ہے، تو اسی کے مطابق دشمن کے مہرے بڑھائے جاتے ہیں، اور فریق مخالف دفاع اور جوابی حملون کی تدبیرون پر غور کرکے مدافعت کے لئے اپنے مہرے بڑھاتا ہے، اور ریڈیو کے ذریعہ یہ ہدایات فوراً نشر کردی جاتی ہیں، اور اس ہدایت کے مطابق ہوائی جہازون اور طیارہ شکن بندوقون کے ذریعہ مدافعت شروع کردی جاتی ہے،

سپاہیون کیلئے رات کے چشمے

برٹش ٹرننگ یونٹ کے افسر ایک خاص قسم کے چشمے لگا کر دن میں رات کی جنگ کی مشق کرتے ہیں، ان چشمون کے لگانے سے بالکل رات کی کیفیت معلوم ہوتی ہے، اس کی مشق سے جوان سپاہیون کو تاریکی کی چیزیں صاف نظر آنے لگتی ہیں، اور نشانہ میں بھی غلطی نہیں ہوتی، اس مشق سے توقع ہے کہ رات کی جنگ میں تاریکی سے انھیں کوئی دشواری پیش نہیں آے گی،

بابُ التقریظ والانتقاد

نئے رسالے

تاریخ (سہ ماہی) مرتبہ جناب حکیم سید شمس اللہ صاحب قادری تقطیع بڑی ضخامت ۱۸۴ صفحے، کاغذ کتابت وطباعت بہتر، قیمت مرقوم نہیں، پتہ دفتر تاریخ حیدرآباد دکن،

تاریخ و آثار قدیمہ کا یہ رسالہ نواب لطف الدولہ اورنیٹل ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کی جانب سے حکیم شمس اللہ صاحب قادری کی ادارت مین نکلا ہے، تاریخ مین لائق مدیر کی نظر محتاجِ بیان نہین، رسالہ کا پیش نظر نمبر اس کا نمونہ ہے، اس مین متعدد تاریخی اور اثری مضامین ہین، اور سب کے سب فاضل اڈیٹر کے قلم کے ہین، مقالات مین حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی کے محققانہ حالات ہین، مشرقی افریقہ مین جزیرہ کلوہ مدتون مسلمانون کا مرکز رہ چکا ہے، اور یہان کئی مسلمان خاندانون نے حکومت کی، جن کے حالات سے اردو دان بالکل واقف نہین، فاضل مدیر نے کتاب السلوہ فی اخبار کلوہ سے ان حکمرانون کے حالات پر روشنی ڈالی ہے، تیسرے مقالہ مین تاریخ راحت افزا محمد علی الحسنی کے بیان سے ارکاٹ کی مہم مین نواب ناصر جنگ کے قتل گاہ کی تعیین کی کوشش کی گئی ہے، یہ تینون مقالے معلومات کے اعتبار سے مفید اور پڑھنے کے لائق ہین، آثار قدیمہ مین پونا ملی اور بیڑ (دکن) کے بعض قدیم اسلامی کتبون اور بابر کے ان سکون پر جو ائمہ اثنا عشر کے نام پر مضروب ہوئے، تاریخی روشنی ڈالی گئی ہے، تاریخ کے دوبارہ اجراء سے علمی رسالون مین ایک مفید اور کارآمد رسالہ کا اضافہ ہوا ہے اور وہ اہل علم کی قدر دانی کا مستحق ہے،

نظامِ ادب (ششماہی) جناب منظور الحسن صاحب ہاشمی تقطیع بڑی ضخامت ۱۴۰ صفحے، کاغذ، کتابت وطباعت بہتر، قیمت سالانہ عہ، پتہ :- معتمد نظام ادب نظام کالج حیدرآباد دکن

یہ رسالہ حیدرآباد کے نظام کالج کے طلبہ کا ترجمان ہے، اور معلومات کے تنوع اور مضامین کے اعتبار سے اچھا رسالہ ہے، علمی ادبی اور تاریخی ہر ذوق کے خاصے مضامین ہین، زیر نظر نمبر کے سنجیدہ مضامین مین "مکاتیب اردو" جناب غلام جیلانی صاحب "چند یورپی سیاح" اڈیٹر "ہندوستان کے عہد قدیم کی جامعات" جناب حسن علی صاحب مفید مضامین ہین، ادب اور افسانے مین "حیدرآباد سے کشمیر تک" آغا حیدر حسن صاحب دہلوی، اور "شاعری کا بھوت" ناکارہ حیدرآبادی پرلطف ہین، ضمیمہ مین ابتدائی جماعتون کے طلبہ کے مضامین بھی ان کی استعداد کو دیکھتے ہوئے بُرے نہین ہین، مجموعی حیثیت سے یہ رسالہ طلبہ کی قلمی کوششون کا اچھا نمونہ ہے،

معاصر (ماہوار) مرتبہ جناب عظیم الدین احمد صاحب تقطیع بڑی ضخامت ۰، صفحے، کاغذ کتابت وطباعت بہتر، قیمت سالانہ للعہ فی پرچہ ۴ر، پتہ :- نیا سنسار کتاب گھر، بانکی پور پٹنہ،

عظیم آباد کے ممتاز اہل قلم نے وہان کی پرانی ادبی روایات کو زندہ کرنے کے لئے ایک دائرہ ادب کی بنیاد ڈالی ہے، معاصر اوسی کا نقیب ہے، یہ رسالہ حال ہی مین نکلا ہے، ہم نے اس کے چند نمبر دیکھے مضمون نگارون مین عظیم آباد کے ممتاز اہل قلم کے نام ہین، اور مضامین مین تنوعِ معلومات اور زبان و ادب ہر پہلو کا لحاظ رکھا گیا ہے، اور علمی و ادبی دونون حیثیتون سے یہ رسالہ اردو کے اچھے رسالون مین شمار ہونے کے لائق ہے، "اردو پر تنقیدی نظر" "میر تقی کی شاعری" اڈیٹر "دیوان ہمایون بادشاہ" جناب شمس الدین احمد صاحب "زبان کی تاریخ" محمد فضل الرحمن صاحب "نسخہ دلکشا" سید حسن عسکری صاحب "اسکندریہ اور اوس کے ذہنی کارنامے" جناب محمد مسلم مفید اور اچھے مضامین ہین، ادب اور افسانے کا حصہ بھی ستھرا ہے، اختر صاحب اورینوی کے افسانے خاص طور سے دلچسپ نظر آئے، بہار کی سرزمین

رسالون کے لئے بہت شور واقع ہوئی ہے، لیکن یہ رسالہ زندہ رکھنے کے لائق ہے، دائرہ کے کارکنون کے
کے نامون کو دیکھکر رسالہ کے بقا کی امید کیجاسکتی ہے، البتہ لائق اڈیٹر سے اتنی گذارش ہے کہ وہ اپنے مضامین
مین مبالغہ اور لفاظی کا عنصر ذرا کم کردین، اس سے واقعی حقیقت بھی الفاظ مین گم ہوجاتی ہے، اور پڑھنے
والے پر اچھا اثر نہیں پڑتا،

نشیمن، مرتبہ جناب مجنون گورکھپوری، تقطیع چھوٹی، ضخامت ۴۸ صفحے، کاغذ کتابت و
طباعت بہتر، قیمت سالانہ ے؍ ششماہی عہ؍ فی پرچہ ۵؍ پتہ:- دفتر نشیمن بلاقی پور، گورکھپور،

یہ رسالہ تقریباً ایک سال سے گورکھپور سے نکلتا ہے، کئی مہینے ہوئے ہمارے پاس ریویو کے لئے
آیا تھا، ہم نے اس کے کئی نمبر دیکھے، آج کل کے عام ادبی رسالون سے برا نہین ہے، لیکن لائق مدیر
کی نگرانی سے جس معیار کی توقع تھی، وہ اس رسالہ سے پوری نہین ہوتی، رسالہ کا دائرہ صرف
ادب اور افسانے تک محدود ہے، وہ بھی بہت معمولی درجہ کے، کسی کسی نمبر مین کوئی قابل توجہ
مضمون نظر آجاتا ہے، معلوم ہوتا ہے کہ فاضل اڈیٹر کا تعلق محض برائے نام ہے، ورنہ کم از کم ادبی
معیار اس سے بلند ہوتا، انکی توجہ سے یہ خامی پوری ہوسکتی ہے،

النوائط مرتبہ جناب بہاء الدین اکرمی صاحب ندوی، تقطیع بڑی، ضخامت ۵۰ صفحے، کاغذ
کتابت وطباعت معمولی، قیمت سالانہ عا؍ ششماہی عہ؍ فی پرچہ ۳؍، پتہ:- ٹیمکر اسٹریٹ
آغاخان بلڈنگ، بمبئی نمبر ۹،

جنوبی ہندستان مین نوائط ایک اہم اور تاریخی قوم ہے، النوائط اسی کا آرگن ہے، لیکن اس کا
دامن عام مسلمانون کی خدمت کیلئے بھی وسیع ہے، جنوبی ہندوستان کو دیکھتے ہوئے غنیمت رسالہ ہے،
علمی اور ادبی دونون طرح کے مضامین ہوتے ہین، "نوائط کی تاریخ" اور "مصر کے حالات" قابل ذکر ہین،
عام دلچسپی کے لئے ادب اور افسانے کی بھی چاشنی ہے، امید ہے کہ یہ رسالہ قوم نوائط کی خدمت کیساتھ

جنوبی ہند مین اردو کی بھی خدمت انجام دے گا،

حور مرتبہ بیگم صدیق انصاری، تقطیع بڑی، ضخامت ۵۰ صفحے، کاغذ کتابت وطباعت بہتر، قیمت
سالانہ ے؍ ششماہی عہ؍ فی پرچہ ۸؍، پتہ:- نمبر ۳ سوا کیڈین بیاگھٹہ، کلکتہ،

یہ رسالہ آج سے اٹھارہ سال پہلے کلکتہ سے نکلتا تھا، برسون کے بعد پھر دوبارہ نکلنا شروع ہوا
ہے، اس کا مقصد "عورتوں مین علمی وادبی ذوق اور ان مین مشرقی تہذیب وشائستگی پیدا کرنا، اور انھین
مغربی تہذیب سے بچانا، اور مردون کے مقابلہ مین ان کی آزادی اور حقوق کی حفاظت ہے" مقاصد بہت
اچھے ہین، لیکن ہمارے پاس جو پرچہ ریویو کے لئے آیا ہے، اس مین ان مقاصد کا اثر بہت کم نظر آتا ہے،
زیادہ حصہ شعر وشاعری اور ادب لطیف کا ہے، سنجیدہ اور مفید مضامین نہ ہونے کے برابر ہین، سنجیدہ
شعر وادب بری چیز نہین، لیکن حور کے مقاصد کے مقابلہ مین اس کی حیثیت ثانوی ہونی چاہئے، اصل
مقصد پر غالب نہ آجانا چاہئے، ہم نے اس کا صرف ایک ہی نمبر دیکھا ہے، اسلئے پورا فیصلہ نہین کیا جا سکتا.
حور کی گذشتہ روایات سے امید ہے کہ اس دوسری زندگی مین بھی عورتوں کی مفید خدمت انجام دیگا،

شاد (ششماہی) مرتبہ جناب سید عبد القیوم صاحب، تقطیع بڑی، ضخامت ۴۰ صفحے، کاغذ کتابت
وطباعت معمولی، قیمت مرقوم نہین، پتہ:- اردو بزم ادب ضلع اسکول، رانچی،

رانچی ضلع اسکول کے طلبہ نے اردو کی ایک بزم ادب قائم کی ہے، شاد اسی کا رسالہ ہے، اسکا
مقصد طلبہ مین اردو کا ذوق اور مضمون نگاری کی مشق پیدا کرنا ہے، چنانچہ اس رسالہ کے بیشتر مضامین
انہی کے قلم کے ہین اور ان کی استعداد اور رانچی جیسے مقام کو دیکھتے ہوئے غنیمت ہین، لیکن زبان کی
صحت کے لئے کسی اچھے زباندان استاد کی نگرانی اور مضامین پر اسکی حک و اصلاح ضروری ہے، ورنہ رسالہ
کا مقصد حاصل نہ ہوگا، امید ہے کہ اس رسالہ کے اجرا سے چھوٹا ناگپور مین اردو کا ذوق ترقی کریگا،

اخبارات

مسلمان (ہفتہ میں دو بار) مرتبہ جناب نصراللہ خان صاحب عزیز، تقطیع بڑی اخباری ضخامت ۸ صفحے، کاغذ کتابت و طباعت بہتر، قیمت سالانہ سے ششماہی ہیر فی پرچہ ار، پتہ:۔ دفتر مسلمان اچھرہ لاہور،

یہ اخبار غالباً عرصہ سے نکلتا ہے، لیکن اب اسکی ادارت نصراللہ خان صاحب عزیز کے ہاتھوں مین آئی ہے، موصوف کا صحافتی تجربہ اور سیاسی خدمات تعارف سے مستغنی ہین، وہ کہنہ مشق اخبار نویس، ملک و ملت کے پرانے خادم اور آزادی ہند کے سچے طلب گار ہین، یہی مسلک اس اخبار کا بھی ہے، مذہب و ملت کے تحفظ کے ساتھ ہندوستان کی آزادی اس کا نصب العین ہے، اس لئے سیاسی مضامین و مباحث کے ساتھ اسلامی مسائل پر بھی سنجیدہ مضامین اور مفید معلومات پیش کرتا ہے، فاضل مدیر کا مسلک اور ان کی صحافتی خصوصیات اتنی متعارف ہین، کہ اس پر زیادہ لکھنے کی ضرورت نہیں، اور اس کا پورا یقین ہے کہ ان کی رہنمائی مین اخبار مذکور مسلمانون کی مفید سیاسی خدمت انجام دیگا، اسکی قدر دانی مسلمانون کا کام ہے،

نوائے وقت (ہفتہ وار) مرتبہ جناب شبیر حسن صاحب و حمید نظامی صاحب، تقطیع اوسط اخباری، ضخامت ۱۲ صفحے، کاغذ، کتابت و طباعت بہتر، قیمت:۔ عار، فی پرچہ ار، پتہ ریلوے روڈ لاہور،

یہ ہفتہ وار اخبار کئی مہینے سے میان بشیر احمد صاحب کی زیر سرپرستی نکل رہا ہے، ہم نے اس کے چند ابتدائی نمبر دیکھے، یہ نیم ادبی و نیم سیاسی اخبار ہے، اور مسلمانون کی سیاست پر خالص

اسلامی نقطہ نظر سے بحث کرتا ہے، زبان کا مسئلہ خاص طور سے اوس کا موضوعِ بحث ہے، اور اس موضوع پر اوس کے مضامین خصوصیت سے مفید اور لائقِ غور ہوتے ہین، سیاسی اور لسانی مباحث کے ساتھ مختلف علمی و ادبی مضامین اور متفرق مفید معلومات بھی پیش کرتا ہے، اوس کے سیاسی مسلک میں اختلاف کی گنجایش ہو سکتی ہے، لیکن ادبی اور لسانی پہلو سے یقیناً قدر دانی کا مستحق ہے،

مستقل (ہفتہ وار) مرتبہ جناب مولوی ضیاء اللہ محمد شیث صاحب ندوی، تقطیع اوسط، ضخامت:۔ ۱۶ صفحے، کاغذ، کتابت، طباعت، بہتر، قیمت سالانہ سے ر، پتہ:۔ مستقل محلہ قضیانہ جونپور،

یہ اخبار حال ہی مین چند ندوی نوجوانون کی ادارت مین مشہور تاریخی شہر جونپور سے نکلا ہے، سیاسی صحافت کے لئے بڑے تجربہ کی ضرورت ہے، اس لئے سیاسی اعتبار سے اس اخبار مین ابھی کوئی خاص بات نہیں ہے، لیکن اس کی ادارت ایسے نوجوانوں کے ہاتھوں میں ہے، جو جونپور کے ایک قدیم علمی و مذہبی خانوادہ سے تعلق رکھتے ہین، اور خود بھی دینی تعلیم سے آراستہ ہین، اس لئے علمی ادبی اور عام معلومات کے اعتبار سے خاصہ اخبار ہے، اور امید ہے، کہ اس حیثیت سے وہ مشرقی اضلاع مین اچھی خدمت انجام دیگا،

اتحادِ افغان مرتبہ جناب آغا شیر احمد خان صاحب خاموش بی اے، ایل ایل بی، تقطیع بڑی، ضخامت ۱۶ صفحے، کاغذ اچھا، کتابت و طباعت معمولی، قیمت سالانہ للعہ ششماہی عہ ر، پتہ:۔ دفتر اتحاد افغان لودیانہ، پنجاب،

ہندوستان کی تاریخ مین پٹھانون کا بہت اہم حصہ رہا ہے، اور اب بھی یہاں پٹھانون کی بڑی آبادی ہے، جو دل و دماغ اور تعلیم و دولت وغیرہ کے لحاظ سے ممتاز حیثیت کے مالک ہین، آج سے کئی سال پہلے اتحادِ افغان ان کی تنظیم اور انھیں ایک رشتہ میں منسلک کرنے کے لئے جاری

ہوا تھا، پھر بند ہوگیا، اب دوبارہ جاری ہوا ہے، اور پٹھانون کی شاندار روایات اور تاریخ کو پیش کر کے پھر اون کی خصوصیات کو زندہ کرنا چاہتا ہے، اس تنظیمی مقصد کے ساتھ اس میں علم و ادب کا بھی حصہ ہوتا ہے، پٹھان ہندوستان کی مسلمان آبادی کا نہایت اہم عنصر ہیں، اس لئے ان کی تنظیم و ترقی کی ہر کوشش عام مسلمانون کے لئے بھی فائدہ سے خالی نہیں، اور ہم اس افغانی نقیب کا پرخلوص خیر مقدم کرتے ہین، ہندوستان کے علم دوست اور صاحب ثروت پٹھان اپنے ایک قومی اخبار کو بہت آسانی کے ساتھ چلا سکتے ہین،

منصور گزٹ (ہفتہ وار) مرتبہ جناب منیر کرمانی، تقطیع اوسط اخباری، ضخامت ۱۲ صفحے، کاغذ، کتابت و طباعت معمولی، قیمت سالانہ للعہ رفی پرچہ ار پتہ اخبار منصور گزٹ، کانپور،

اسلام کی سطح معاشرتی نشیب و فراز سے پاک ہے، اسلامی تعلیم کے رو سے سب مسلمان ایک دوسرے کے بھائی اور اسلامی حقوق و فرائض مین برابر ہین، لیکن ہندوستان مین کچھ پیشون کی تقسیم اور کچھ ہندی تہذیب کے اثر سے مختلف طبقون مین بٹ گئے ہین، اور ان مین اعلیٰ و ادنیٰ کا امتیاز قائم ہوگیا ہے، خوشی کا مقام ہے، کہ اب پیشہ ور طبقون مین اپنی تنظیم کے ذریعہ اسلامی مساوات سے متمتع ہونے کا احساس پیدا ہوگیا ہے، منصور گزٹ اسی مقصد سے نکلا ہے، مسلمانون کو ہر ایسی کوشش خندہ پیشانی سے قبول کرنی چاہئے، لیکن اوس کا مقصد اپنی تنظیم اور اپنے حقوق کا تحفظ ہونا چاہئے نہ کہ مسلمانون مین تفریق و اختلاف جیسا کہ اس قبیل کی اکثر کوششون مین نظر آتا ہے، لیکن ہم کو خوشی ہے، کہ منصور گزٹ کے جتنے نمبر ہم نے دیکھے، وہ اس جذبہ سے پاک نظر آئے، یہ اخبار قوم منصور کی ترجمانی و تنظیم کے ساتھ عام مسلمانون کے لئے بھی مفید معلومات فراہم کرتا ہے،

(م)

مطبوعات جدیدہ

تحفۂ ربیع الاول مرتبہ جناب ابو ظفر محمد بدر الدین خان صاحب سب رجسٹرار تقطیع چھوٹی ضخامت ۱۳۸ صفحے کاغذ کتابت معمولی قیمت عہ رتبہ دلسنگر سرا ضلع دربھنگہ صوبہ بہار

میلاد نبوی کی مجلسوں میں پڑھنے کے لئے مؤلف نے سیرت کی مطول کتابوں سے یہ رسالہ مرتب کیا ہے اس میں سیرت نبوی کے واقعات کے ساتھ بعثت نبوی کے اسباب و نتائج، قدیم صحیفون سے بعثت نبوی کی پیشین گوئی، حیات طیبہ کے عملی و اخلاقی اسوۂ حسنہ، اسلام کی تعلیمات کا فلسفہ اور انکی برتری، عملی زندگی سے اوسکے تعلق، انسانی زندگی کیلئے اسکی ضرورت اور معجزات وغیرہ سیرت اور اسلامی تعلیمات کے مختلف پہلوؤن پر بحث ہے، اور انھیں دنیا کے سامنے نظام عمل کی حیثیت سے پیش کیا گیا ہے جا بجا یورپین مصنفین کے تائیدی بیانات بھی ہین، تعدد ازدواج، غلامی اور تقدیر وغیرہ کے مسائل پر جو اعتراضات کئے جاتے ہین، ان کے جوابات دیئے ہین، اور آخر مین یورپ پر اسلامی تعلیم کے اثرات دکھائے گئے ہین، کتاب بڑی عقیدت اور اسلام کی محبت مین لکھی گئی ہے، لیکن کہین کہین غلط روایتین بھی شامل ہوگئی ہین، حضرت ماریہ قبطیہ اور حضرت ابراہیم سے امہات المومنین کے رشک و رقابت کو ایلا کا سبب قرار دینا غلط ہے، بعض باتین مؤلف کے قلم سے ایسی نکل گئی ہین، کہ انھیں دیکھکر تعجب ہوتا ہے، مثلاً آنحضرت صلعم کی تاریخیت کی بحث مین ہے کہ "حضرت ابراہیم کی سیرت تو درکنار ان کی شخصیت تک کا کوئی پتہ نہیں چلتا صہ") مؤلف کے قلم سے غالباً شدت غلو مین بے سمجھے بوجھے یہ فقرہ نکل گیا، حضرت ابراہیم کی شخصیت مین اشتباہ سارے اسرائیلی انبیاء و رسل، بلکہ خود آنحضرت صلعم قرآن اور اسلام کا

انکار ہے، ان کے ذکر سے کون الہامی صحیفہ خالی ہے، خود قرآن مین بیسیون مقام پر ان کا ذکر ہے، بانی کعبہ کون تھا؟ ملت ابراہیمی کیا ہے؟ خود اسلام کس مذہب کی تکمیل ہے؟ رسول اللہ صلعم کس کی نسل سے تھے، زبان املا اور کتابت کی غلطیان صفحہ صفحہ پر ہیں، بعض بعض موٹی موٹی غلطیان یہ ہین، "غور خوض" (منی) "عالی نصب" پیرو کے بجائے "پیرو کار" "آل اسمٰعیل" کے بجائے "خاندانِ اسمٰعیلیہ" "نازر خیز (بنجر) کندان (کندہ) فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ کا ترجمہ "اپنے رب کا گیت گاؤ" "آنحضرت صلعم کی وفات کے ذکر مین اَللّٰھُمَّ فِی الرَّفِیْقِ الْاَعْلٰی یا بِالرَّفِیْقِ الْاَعْلٰی کے بجائے اَلرَّفِیْقِ الْاَعْلٰی مِنَ الْجَنَّۃِ اس سلسلہ مین فرشتہ سے غائبانہ گفتگو کا واقعہ بھی بالکل بے بنیاد ہے، میلاد کے جو مراسم لکھے ہین وہ بھی مولف کا ذاتی خیال ہے،

اردو رسم الخط، از جناب محمد سجاد مرزا صاحب پرنسپل عثمانیہ ٹریننگ کالج حیدرآباد دکن، تقطیع بڑی، ضخامت ۲۰ صفحے، کاغذ کتابت و طباعت بہتر، مؤلف سے ملے گی،

اردو کے بہت سے نسخ و نستعلیق ٹائپ رائج ہین لیکن اردو کا رسم الخط اتنا پیچیدہ ہے، کہ ناواقفون کے لئے اس کے سیکھنے اوس کے ٹائپ بنانے اور اوس کو کمپوز کرنے مین بڑی دشواری پیش آتی ہے، اس لئے ایک سادہ اور آسان رسم الخط کا مسئلہ عرصہ سے بہی خواہانِ اردو کے پیش نظر ہے، اس سلسلہ مین عثمانیہ ٹریننگ کالج کے خطاط شیخ حسین صاحب نے اردو ٹائپ کا ایک نمونہ بنایا ہے، فاضل مرتب نے اس رسالہ مین رسم الخط کی ایجاد عربی اور فارسی رسم الخط کی تاریخ، اس کے عہد بعہد کے تغیرات و ترقیون اور اوس کے مختلف اقسام کو بیان کرکے ان کے نمونے دکھائے ہین، اور موجودہ رسم الخط کی پیچیدگیون اور گوناگون دشواریون کو دکھا کر شیخ حسین صاحب کے ایجاد کردہ رسم الخط کا نمونہ پیش کیا ہے، اور اسکی سہولتیں اور آسانیان دکھائی ہین، ہم نے اس خط کو غور و تامل سے دیکھا، اس مین شبہہ نہیں، کہ اوس کے جوڑ بند بہت کم ہین، موجودہ رسم الخط سے بے گانہ اور بے تعلق

بھی نہیں ہے، حروف کے وصل و ترکیب مین بہت سے حروف کی تقریباً اصلی شکل قائم رہتی ہے ارتفاع مین جگہ کم گھیرتا ہے، کرسی بھی ہموار ہے، لیکن پھر بھی اس سے پیچیدگی کا پورا حل نہیں ہوتا، ارتفاع مین جگہ کم گھیرتا ہے، لیکن طول مین زیادہ گھیرتا ہے، اور حسن خط سے بالکل عاری ہے، اس لئے نگاہون کو بُرا معلوم ہوتا ہے، لیکن بہرحال رسم الخط کی دشواری کو حل کرنے کے لئے کسی نہ کسی حد تک نقائص کو انگیز کرنا ناگزیر ہے، کہ اسی سے آیندہ ترقی کا راستہ کھلتا ہے، اس لئے یہ نمونہ اپنے نقائص کے باوجود لائق غور ہے،

جدید جغرافیہ پنجاب مصنفہ جناب سندباد جہازی، تقطیع چھوٹی، ضخامت ۱۴۳ صفحے، کاغذ کتابت و طباعت بہتر، قیمت معلوم نہیں، پتہ:- اردو اکیڈمی لوہاری دروازہ لاہور

جناب چراغ حسن صاحب حسرت المعروف بہ سندباد جہازی کی طرز نگاری پہلے سے مسلم ہے پنجاب کا یہ جغرافیہ لکھ کر انھون نے طرز نگاری کا ایک نیا نمونہ پیش کیا ہے، اس مین جغرافیہ کی زبان اور اسکی اصطلاحون مین پنجاب کے مختلف طبقون، جماعتون، مجلسون اور تحریکون، کانگریس، مسلم لیگ، ہندو سبھا، احراری، اشتراکی، حکومت کے عمال، امرا، اعیان، اڈیٹرون، لیڈرون، اخبارون، ہندو، مسلم اور سکھ وغیرہ ہر جماعت اور ہر طبقہ اور ان کے اکابر اور رہنماؤن کے حالات، خصوصیات، اعمال، سیاست اور ماضی و حال، بلکہ مستقبل پر بھی نہایت دلچسپ اور عموماً صحیح تنقید کی ہے، بلکہ جغرافیہ کی زبان مین "چوحدی" بیان کی ہے، جس سے ان کی پوری تصویر سامنے آجاتی ہے، اس لئے یہ کتاب محض سامانِ تفریح نہیں، بلکہ بہتوں کے لئے سامانِ بصیرت بھی ہے، طرز بیان اتنا اچھوتا ہے، کہ اس سے ہر شخص لطف اٹھا سکتا ہے، خصوصاً جن لوگوں کو پنجاب کے حالات سے پوری واقفیت ہے ان کے لئے تو یہ کتاب بہت ہی دلچسپ ہے، اس کے لطف کا اندازہ پڑھنے ہی سے ہو سکتا ہے، ہم جناب مصنف کو ان کی اس کامیاب تصنیف پر مبارکباد دیتے ہین، اس سے اردو مین ایک نئے

اور دلچسپ طنزیہ اسلوب کا اضافہ ہوا،

نازو اور دوسرے افسانے از جناب اختر انصاری بی اے تقطیع چھوٹی، ضخامت ۲۰۴ صفحے، کاغذ کتابت و طباعت بہتر قیمت مجلد عہ، پتہ:۔ مکتبہ جہان نما اردو بازار دہلی

یہ کتاب جناب اختر انصاری کے چودہ افسانوں کا مجموعہ ہے، اس میں حسن و عشق کے دلکش افسانے، ہماری معاشرت کے سبق آموز قصے، اور درد و الم اور فرحت و انبساط کی سچی تصویریں مختلف رنگ کے ستھرے افسانے ہیں، اور کسی میں مذاق سلیم کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوٹنے پایا ہے، تمام افسانے ابتذال و رکاکت سے پاک اور تخیل، پاکیزگی، لطف زبان اور مصنف کی دوسری ادبی خصوصیات کا نمونہ ہیں، سب افسانے دلچسپ اور پڑھنے کے لائق ہیں، "زبیدہ" "میرے بچوں کی قسمت" "وہ کہاں ہے" "کسی کی کہانی چاند کی زبانی" "زینت" اور "غم نصیب" خاص طور سے ہمیں پسند آئے،

رہنمائے تاریخ اردو مؤلفہ جناب حاجی محمد عبد القادر صاحب تقطیع چھوٹی، ضخامت ۱۵۰ صفحے، کاغذ کتابت و طباعت بہتر قیمت ۱۲ر، پتہ حاجی عبد القادر صاحب ریٹائرڈ وکیل بنارس،

تاریخ گوئی شاعری کی ایک مشکل صنف ہے، معمولی تاریخ کہنا بہت آسان لیکن اچھی تاریخ نکالنا بہت مشکل ہے، تاریخوں تذکروں اور دواوین میں اکابر کی وفات اور مختلف واقعات و حوادث کی سیکڑوں تاریخیں بکھری ہوئی ہیں، لائق مرتب نے اس کتاب میں فن تاریخ گوئی کے اصول و قواعد، اور اس کے اقسام کو مثالوں سے سمجھایا ہے، اور مختلف واقعات اور ہر دور کے پینتالیس شعرا اور اکابر کے مختصر حالات اور ان کی تاریخہائے وفات کو جمع کر دیا ہے، اس لئے یہ کتاب مختصر تذکرہ بھی ہے، اور فن تاریخ گوئی کی کتاب بھی، جن لوگوں کو اس سے دلچسپی ہو ان کیلئے اس میں بہت سی مفید اور کارآمد باتیں ہیں،

"م"

"جلد ۴۷" ماہ صفر المظفر ۱۳۶۰ھ مطابق ماہ مارچ ۱۹۴۱ء "عدد ۳"

مضامین